ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی
فروری ۱۹۸۸ء
شمارے کے
ساتھ رنگین اسٹیکر
مفت حاصل کریں

a great new taste
mayfair
Fruta Chew
Chew it, you'll love it.
Fruta Chew
Fruta Chew
mayfair
– the sweet favourites

ماہنامہ آنکھ مچولی کراچی

سرپرست ڈاکٹر ابواللیث صدّیقی
مُدیرِ اعلیٰ ظفر محمود شیخ
مُدیرِ مسئول تجمّل حسین چشتی
مُشاورت مشفق خواجہ، امجد اسلام امجد
مُدیرِ اعزازی طاہر مسعود
مُشیرِ ادارت محمد سلیم مُغل
قانونی مشیر (اعزازی) خواجہ عدیل احمد
ناظمِ اشتہارات طارق ظفر برنی
خطاط رئیس الحسن، عارف سعید

جلد نمبر ۲
شمارہ نمبر ۸
فروری ۱۹۸۸ء
جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
قیمت ــــ پانچ روپے

زرِ سالانہ کے لئے خصوصی
بچت اسکیم کا صفحہ دیکھیے!

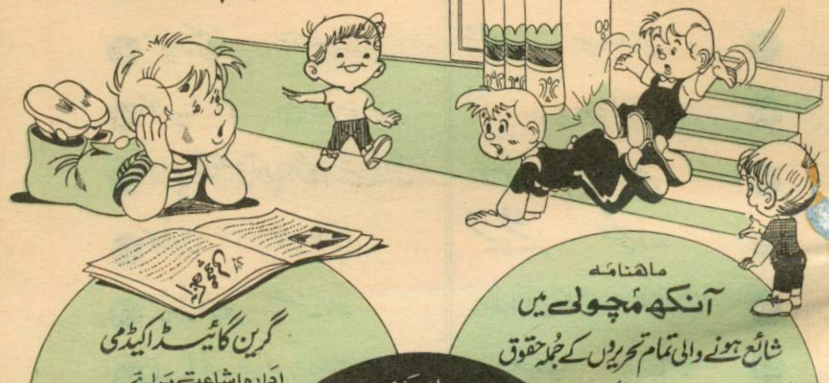

ماہنامہ
آنکھ مچولی میں
شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جُملہ حقوق
بحق ادارہ محفوظ ہیں، پیشگی
اجازت کے بغیر کوئی تحریر
شائع نہیں کی جاسکتی

گرین گائیڈ اکیڈمی
ادارہ اشاعت برائے
تعلیم و تعمیرِ سیرتِ اطفال
زیرِ سرپرستی
ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن

ماہنامہ
آنکھ مچولی
میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث
پہ مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و
واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ
مماثلت کی صورت میں
ادارہ ذمہ دار
نہ ہوگا۔

گرین
گائیڈ اکیڈمی
برائے خط و کتابت و مقامِ اشاعت ۱۱۲-ڈی، نورس روڈ سائٹ، کراچی

ناشر
ظفر محمود شیخ
طابع - زاہد علی ● مطبع - لاریب
پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ، کراچی

حسنِ ترتیب

۵ اداریہ
۶ اچھی بات
۷ مقامِ محمدؐ — قیوم نظر
۸ ڈاک ڈاک، کس کی ڈاک (خطوں کے جوابات)
۱۲ اِس ماہ کا نام کیسے پڑا؟ — محمد اسلم شیخوپوری
۱۳ مولا بخش (نظم) — رحمی کنجاہی
۱۴ میرا بچپن — مستنصر حسین تارڑ
۱۷ کالیا — ابنِ شہباز خان
۲۳ اگر ایٹمی جنگ ہوئی تو کیا ہوگا؟ — شین فاروقی
۲۷ کارٹون — خواجہ عامر علی
۲۹ سچائی کا زہر — شمس حامد
۳۲ باپ کی نصیحت (نظم) محمد شیر افضل جعفری
۳۳ بونے گھوڑے (یہ نا حیرت کی بات) جنید شمیم
۳۷ عزم کی داستاں — سید خورشید عالم
۴۱ تلاش (سلسلے وار ناول) آصف فرخی
۴۹ لذیذار لطیفے — منتخب لطائف
۵۲ موسم کا حال بتانے والی بلی — عائشہ سلیم
۵۵ بدلہ (ڈرامہ) — رضیہ فصیح احمد
۶۳ کائناتی شعاعیں — نیر ابدالی
۶۷ بچوں کے ٹی وی پروگراموں پر تبصرہ، شاہ نواز فاروقی
۷۳ گڈ مارننگ — کلیم چغتائی
۷۹ پشاور، شہرِ ہزار داستان — عاصمہ گل
۸۳ ہڑتال — سعیدہ احسان
۸۵ نسخہ — ایم افضل
۸۹ دوستی — رضوانہ سلیم
۹۳ شمشیر بہ شمشیر — کلثوم واحد
۹۷ نیولا سانپوں کا شکاری — خالد مغل
۱۰۱ دائرہ معلومات — اُمِ رباب جعفری
۱۰۵ انکل آئی کیو روبوٹ، سائنسی سوال جواب
۱۰۸ نئی تحریریں — نئے لکھنے والے
۱۱۶ آؤ ملائیں ہاتھ — قلمی دوستی
۱۱۹ ایک پیغام، امی ابو کے نام، محمد صلاح الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترقی یافتہ ممالک میں ٹیلی وژن کے بچّوں پر مرتب ہونے والے اثرات کے حوالے سے جو تحقیقات ہوئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بچّوں کی ذہنی ساخت اور نشو ونما پر ٹیلی وژن کا اثر اُتنا ہی فیصلہ کن ہوتا ہے جتنا والدین کے رویے کا ... بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ۔ کیوں کہ مشاہدے میں آیا ہے کہ بعض ایسی باتیں جو والدین اپنے بچّوں سے نہیں منوا پاتے ٹیلی وژن منوا دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کم از کم شہری معاشرے میں بچّے والدین سے زیادہ ٹیلی وژن کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔

ٹیلی وژن کی اس مؤثر صلاحیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دنیا کی تمام متمدّن قومیں اسے اپنے مستقبل کی صورت گری کرنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت اور ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کی ترّقی کے لیے بھرپور طریقے سے استعمال کر رہی ہیں۔ نتیجتاً ان ممالک کے اوسط صلاحیت رکھنے والے بچّوں کا ذہنی اُفق ہمارے جیسے ملک کے بچّوں کے ذہنی اُفق سے کہیں زیادہ وسیع اور رنگا رنگ ہے۔ ان ممالک کے بچّے ہمارے بچّوں کے برخلاف ہر میدان میں دن بہ دن پیچیدگی، اور شدید مقابلے کی طرف مائل، جدید دنیا کے معیارات سے کہیں زیادہ آگاہ اور مستقبل کی دنیا سے کہیں زیادہ واقف ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں یہ مؤثر ذریعۂ ابلاغ قومی ضروریات سے ہم آہنگی نہ رکھنے والے بے مقصد مواد کی پیش کش اور نام نہاد تفریحی پروگراموں کے لیے وقف ہو کر رہ گیا ہے۔ ہمارا ٹیلی وژن بچّوں کے لیے جس نوعیت کے پروگرام پیش کر رہا ہے اُن سے بچّوں میں فکری بلوغت، وسعتِ نظر اور عصری دنیا کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی صلاحیت پیدا ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔

آخر قوم کے ذہین اور بے شمار صلاحیتوں کے حامل بچّے ٹی وی کے تعمیری ثمرات سے کب تک محروم رکھے جائیں گے ...؟

ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ آنے والی صدی میں صرف وہی قومیں اپنی تہذیبی انفرادیت، اور سیاسی و جغرافیائی آزادی کو برقرار رکھ سکیں گی جن کے پاس توانا خیالات کا وافر ذخیرہ اور نت نئی ایجادات و اختراعات کے لیے محرک اور تخلیقی صلاحیت رکھنے والے اذہان ہوں گے۔

آپ کا دوست

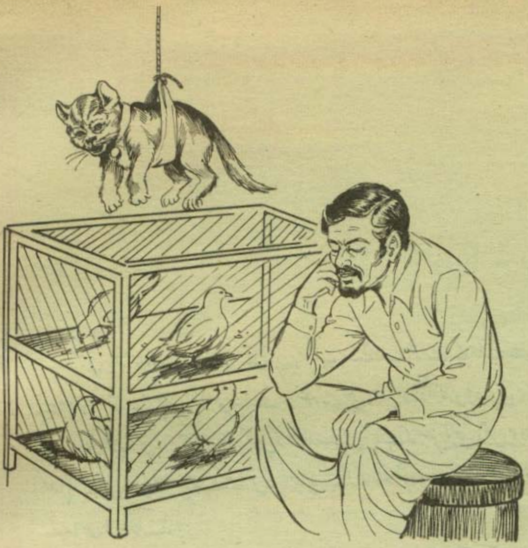

اچھی بات

ایک شخص کے یہاں بلّی تھی۔ جسے وہ روز اتنا کھانے کو دے دیا کرتا تھا کہ اُس کا پیٹ بھر جائے لیکن بلی کی نیت نہیں بھرتی تھی۔ ایک دن وہ کسی کبوتر خانے کے پاس سے گزری اور کبوتروں کی غٹرغوں کی آواز سُن کر آپے سے باہر ہوگئی اور جھٹ اندر گھس گئی۔ گھستے ہی کبوتروں کے رکھوالے نے پکڑ لیا اور مار دیا۔ اور پھر اُس کی کھال میں بھُس بھروا کر کبوتر خانے پر لٹکا دیا۔ بلّی کے مالک کا ایک دن وہاں سے گزر ہُوا تو وہ اُسے ٹنگا دیکھ کر کہنے لگا: "اے بدنصیب، اگر تو اُسی گوشت پر قناعت کرتی، جو تجھے ملتا تھا تو تیری کھال کیوں کھینچی جاتی؟"

حکایت انوارِ سہیلی

قیوم نظرؔ

دو عالم میں پہنچا پیامِ محمدؐ
دو عالم کو ہے احترامِ محمدؐ

ہر اک نام پر اس کو حاصل فضیلت
ہر اک نام سے بڑھ کے نامِ محمدؐ

زبانِ محمدؐ پہ حکمِ خدا ہے
کلامِ خدا ہے کلامِ محمدؐ

شہوں سے سوا مرتبہ اُس نے پایا
ہُوا دل سے جو بھی غلامِ محمدؐ

رہا کوئی بندہ نہ صاحب، نہ آقا
بڑھا جس گھڑی لطفِ عامِ محمدؐ

عمل جن کا ارکانِ اسلام پر ہو
پہنچتا ہے اُن کو سلامِ محمدؐ

ڈاک ڈاک کس کی ڈاک

ندیم آفاق۔ملیر کالونی۔کراچی۔ واہ! آپ پہلے ساتھی ہیں، جنھوں نے اپنی تحریر کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ اگر شائع نہ بھی کریں تو کوئی بات نہیں، اللہ دوسرے ساتھیوں کو بھی آپ جیسا حوصلہ دے۔

محمد سعید آفتاب۔دوڑ۔ضلع نواب شاہ۔ دسمبر کا شمارہ آپ کو بہت پسند آیا، شکریہ! آپ نے لکھا ہے کہ "نئی تحریریں" میں کہانی "پیسے کا کرشمہ" "بچوں کا رسالہ" میں شائع ہو چکی ہے۔یہ بہت غلط بات ہے۔ساتھیوں کو نقل کر کے تحریر نہیں بھیجنی چاہیئے۔اکتوبر کے "کرکٹ اسپیشل" کے لیے ۱۵ روپے کا منی آرڈر ارسال کر دیں۔

شازیہ گل۔ریلوے روڈ۔سرگودھا۔ آنکھ مچولی آپ کو بہت پسند ہے، بہت شکریہ۔آپ نے جو کسی اداکار یا کرکٹر کا بچپن شائع کرنے کی بات کی ہے تو آج کل بچوں اور بڑوں کے تمام رسائل یہی کچھ کر رہے ہیں۔آپ بتائیے کہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی ملک کی ادبی و علمی شخصیات کا بچپن آپ کو کیسا لگ رہا ہے؟

حسن مہدی خراسانی۔فیڈرل بی ایریا۔کراچی۔ دسمبر کا سرورق آپ کو بہت پسند آیا۔ہماری محنت ٹھکانے لگی۔آپ نے لکھا ہے کہ رسالے میں "نعمت" تو موجود تھی، مگر حمد کی کمی محسوس ہوئی۔آپ کا اشارہ کہیں "نعت" کی طرف تو نہیں؟ لطیفوں کے بارے میں آپ کی شکایت ہے کہ گھسے پٹے ہوتے ہیں، مگر اس کا حل کیا ہے؟ کچھ آپ ہی مدد کیجئے۔

علی مرتضےٰ۔نارتھ کراچی۔ دسمبر کا شمارہ آپ کو پسند آیا، شکریہ۔پیارے بھائی! بات یہ ہے کہ کہانی میں ردّو بدل اور اصلاح ایڈیٹر کا حق ہے۔اسی حق کے تحت آپ کی تحریر میں بھی کانٹ چھانٹ اور ردّو بدل کی گئی اور اس کا مقصد تحریر کو سنوارنا اور نکھارنا تھا، خراب کرنا نہیں۔آپ کی نظم "ثمرہ" متعلقہ شعبے میں پہنچ گئی ہے۔آپ کی کہانیاں "فیصلہ طلب" کی فائل میں فیصلے کی منتظر ہیں۔یاد کرتے رہا کریں۔

محمد علی - رشید آباد - کراچی - دسمبر کے شمارے میں اپنا خط نہ پا کر آپ نیم پاگل ہو گئے - او ہو! بہت افسوس ہوا یہ پڑھ کر - اب کیسے ہیں آپ؟ خدا کرے اب آپ بخیریت ہوں -

حامد علی شاہد - لاوہ - چکوال - دسمبر کا سرورق آپ کے بقول خوبصورت نہ تھا، لیکن دیگر ساتھیوں کی رائے اس کے برعکس ہے - بہر حال پسند اپنی اپنی - آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں - کچھ انتظار فرمائیے!

مہرین ناز تبسم - فیڈرل بی ایریا - کراچی - آپ نے شکوہ کیا ہے کہ اس سے پہلے آپ نے جو دو خط لکھے وہ شائع نہیں ہوئے - اس کا ہمیں افسوس ہے - آنکھ مچولی کے لیے آپ نے جن چاہت بھرے جذبات کا اظہار کیا ہے، ان کے لیے شکریہ!

اکرام الرحمٰن - ڈیرہ غازی خان - نہیں جناب! آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ اکثر خطوط ردی کی ٹوکری میں جاتے ہوں گے - دیکھ لیجیے، آپ کا خط بھی وہاں نہیں گیا - آنکھ مچولی کا ممبر بننے کا طریقہ بہت آسان ہے - رسالے میں دیے گئے "خصوصی بچت اسکیم" کے صفحے کو پڑھیئے اور اس پر عمل کر ڈالیے -

ثوبیہ ناز - حیدر آباد - آپ نے ذرا نہیں، بلکہ کافی تاخیر سے نئے سال پر نظم بھیجی ہے - "بھن بھن نگری" اچھی مزاحیہ تحریر تھی، اس لیے شائع ہو گئی - دوسرا مضمون ناقابلِ اشاعت ہے - آپ کی مزید دلچسپ تحریروں کا انتظار ہے -

نعمان اعجاز - گلشن اقبال - کراچی - ہمیں افسوس ہے کہ آپ گنجے ہوئے تھے، لیکن آپ کے گنجے پن کے لیے ہماری "کرکٹ اسپیشل کیپ" آپ کے کام نہ آسکی - خیر اس کے مواقع اور بھی آئیں گے - ہماری دعا ہے کہ آپ امتحان میں ضرور کامیاب ہوں -

سہیل صدیق - نعمانیہ روڈ - گوجرانوالہ - ہمیں آپ کی ساری باتوں سے مکمل اتفاق ہے - آپ گزشتہ اٹھارہ ماہ سے ہر انعامی مقابلے میں حصہ لے رہے ہیں مگر انعام سے محروم ہیں - اس پر ہمیں حیرت بھی ہے اور افسوس بھی - بہر حال کوشش جاری رکھیے، ایک نہ ایک دن ضرور کامیابی ہوگی - جی ہاں، دائرہ معلومات میں غلطی ہو گئی تھی - اصل لفظ "بیتھوون" ہے - آئندہ بھی خط لکھتے رہیئے -

اختری خان - فوزیہ خان - نارتھ ناظم آباد کراچی - جی ہاں آپ کی بات درست ہے کہ انسان کا سب سے اچھا ساتھی کتاب ہے - آپ کو ہمارا کتابوں کا تحفہ پسند آیا، شکریہ! سالانہ خریداری کے لیے آپ بھی "خصوصی بچت اسکیم" پر عمل کیجیے - آپ نے جو کہانیاں لکھی ہوں، وہ بھیج دیجیے، پڑھنے کے بعد ہی اشاعت کا فیصلہ کیا جائے گا -

میر افضل خان - بن قاسم - کراچی - مقابلۂ پیش گوئی میں کوئی بھی ساتھی درست پیش گوئیاں نہیں کر سکا تھا - اس لیے کم سے کم غلطیاں کرنے والے ساتھیوں کا چناؤ کرنے کے بعد قرعہ اندازی کے ذریعے پچاس ساتھیوں کو

انعام یافتہ قرار دیا گیا۔ قرعہ اندازی میں آپ کا نام نہیں نکل سکا ہوگا، اس لیے آپ تین درست جوابات کے باوجود انعام حاصل نہیں کر سکے۔ بہر حال مقابلے میں تو ایسا ہوتا ہی ہے۔ آپ دل چھوٹا نہ کیجئے۔

حمیرا فلک ناز مریم۔ فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ آنکھ مچولی کے متعلق آپ نے جن خلوص بھرے جذبات کا اظہار کیا ہے، اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ آپ کی تحریر "علامہ اقبال سے انٹرویو" ہمیں موصول نہیں ہوئی ہے۔ جانے راستے میں رہ گئی یا ڈاک کی گڑبڑ کا شکار ہو گئی۔ ہو سکے تو دوبارہ ارسال کر دیجئے۔

محمد موسیٰ سومرو۔ کوئٹہ۔ دسمبر کا شمارہ آپ کو پسند آیا، بہت شکریہ۔ آپ نے جن مضامین کا حوالہ دیا ہے، وہ ہمیں بھیج دیجئے۔ پڑھنے کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکے گا کہ قابلِ اشاعت ہیں یا نہیں۔ آپ نے خط کے ساتھ پتہ نہیں لکھا، ورنہ براہِ راست تفصیلی جواب دیا جاتا۔ پتہ ضرور لکھا کیجئے۔

محمد ارشد الہدیٰ عادل۔ قصبہ کالونی کراچی۔ سیرتِ طیبہ پر اتنے ڈھیر سارے مضامین موصول ہوئے تھے کہ ان میں انتخاب کرنا اور فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ بہر حال انتخابی کمیٹی نے اپنے معیار کے مطابق مضامین چنے اور باقی ساتھیوں کے ناموں کی رسید دے دی گئی، جن میں آپ بھی شامل تھے۔ بے شک آپ نے محنت کی تھی، مگر اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے مقابلوں میں!

لیاقت قیوم کلھوڑو۔ گل امین شاہ۔ ریلوے کالونی سکھر۔ پیارے بھتیجو۔۔۔! آنکھ مچولی کی پسندیدگی اور تعریف پر ہماری طرف سے شکریہ۔ حق اسکواڈ کی کافی کہانیاں آپ ساتھیوں نے پڑھ لی ہیں، اب کچھ عرصہ ان چاروں کو آرام کرنے دیجئے۔

تنویر اقبال چوہدری۔ جوہڑہ کینال، آزاد کشمیر۔ آپ نے لکھا ہے کہ دسمبر کا شمارہ آپ کو اچھا لگا، مگر ساتھ ہی مایوسی بھی ہوئی۔ کیونکہ "نئی تحریریں" میں ایک تحریر "حضرت ابو بن ادھم اور فرشتہ" نقل شدہ تھی، جو صفیہ ناز نے کورس کی کتاب سے نقل کی ہے۔ اُمید ہے کہ صفیہ ناز آئندہ ایسا نہیں کریں گی۔

امجد علی شاہ۔ ظاہر پیر۔ "پناہ" نقل شدہ تھی۔ اس کے متعلق دوسرے ساتھیوں نے بھی کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے، ہم اس کے مصنف سے وضاحت طلب کر رہے ہیں۔ اگر آپ حوالہ روانہ کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔ "تلاش" کے متعلق آپ ساتھیوں کے تبصرے کا انتظار ہے، دیکھ لیجیے، ہم نے آنکھیں بند کر کے آپ کا خط شامل کر دیا ہے۔

محمد ابراہیم چوہان۔ روہڑی۔ جی ہاں، ہمیں آپ کی ساری باتوں سے مکمل اتفاق ہے۔ مگر برادرِ عزیز! کسی بھی رسالے میں صرف کہانیاں ہی تو ضروری نہیں ہوتیں۔ باقی مضامین اور سلسلے بھی ضروری ہوتے ہیں۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں ہر قسم کے قارئین کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہانیوں کے ساتھ دیگر مضامین اور سلسلوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور پھر آپ ہی کا تو کہنا ہے کہ اعتدال اپنائیے۔ اسی طرح مشورے دیتے رہا کیجئے۔

کنبہ خوش اور چھوٹا رکھیئے۔ یہی اصول بس اپنا رکھیئے

قومی ترقی کے لئے ملک کی آبادی اور وسائل میں توازن برقرار رکھنے کے لئے بہبودِ آبادی کے فلاحی مراکز پوری لگن کے ساتھ مندرجہ ذیل خدمات انجام دے رہے ہیں۔

● عام بیماریوں کا علاج ● خواتین کے لئے تعلیمی و سماجی محفلوں کا اہتمام ● بہتر گھرداری کے لئے عملی تربیت ● بچوں کی پیدائش میں آپ کی خواہش کے مطابق وقفہ ● جو خواتین اولاد کی نعمت سے محروم ہیں اُن کا علاج۔

تفصیلات اور مفت مشوروں کے لئے اپنے نزدیک ترین فلاحی مرکز میں تشریف لائیے۔

ضلعی دفتر بہبودِ آبادی (غربی) کراچی ڈی۔ ۲۲۵/۴ فیڈرل بی ایریا کراچی (غربی)

- فیڈرل بی ایریا۔ ڈی ۲۲۵/۴، ایف بی ایریا کراچی، ڈسٹرکٹ پاپولیشن ویلفیئر آفس (ویسٹ)، کراچی
- آر - ۱۵/۲۱۵، بفرزون، آر ۱۵/۲۱۵ بفرزون کراچی۔
- ماری پور۔ کسٹم ہسپتال۔ ماری پور کراچی
- گولی مار نمبر ۱۔ اے۔ ۱/ایف سی۔ ۷، گولی مار نمبر ۱ کراچی نمبر ۱۸
- فیڈرل بی ایریا نمبر ۱۶۔ کے ایم سی میٹرنٹی ہوم، ایف بی ایریا، بلاک نمبر ۱۶ کراچی
- لیاقت آباد۔ کے ایم سی میٹرنٹی ہوم نزد پولیس اسٹیشن لیاقت آباد کراچی
- موسٹی کالونی۔ ۷-۱ے/۱۱۳، ہادی روڈ موسٹی کالونی کراچی نمبر ۱۹
- گولی مار نمبر ۱۔ ۴/۱۰۶، ۴۰۰ کوٹر، گولی مار کراچی
- آصف کالونی۔ ۱ے - ۱۰، منگھوپیر روڈ، آصف کالونی کراچی

فیملی ویلفیئر سینٹر

- نئی آبادی۔ ۲-۸-۵/۱۴۸۔ لانٹی آبادی نارتھ کراچی
- نئی کراچی۔ ریڈ کریسنٹ ہسپتال نمبر ۲، نئی کراچی
- کیمبل پور۔ پلاٹ نمبر ۲۱۹۶/۱۳۰، تنظیم روڈ، بلدیہ کراچی۔
- پہاڑ گنج بلال آباد۔ پلاٹ نمبر ۱۲۳، پہاڑ گنج بلال آباد۔
- بفرزون۔ ۲۳-A، ۱۵/۷۷-R، بفرزون کراچی۔
- فیڈرل بی ایریا نمبر ۹۔ ۹/۹۹۰۔ آر فیڈرل بی ایریا کراچی۔
- اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۱۔ ۸/۱۲۹۴، سکیٹر نمبر ۱۱ اورنگی ٹاؤن کراچی
- الاعظم اسکوائر۔ ایف۔ ۴۹، الاعظم اسکوائر کراچی

- کلثوم بائی ولیکا ہسپتال۔ کلثوم بائی ولیکا ہسپتال، ایس آئی ٹی ای کراچی
- یو۔ پی سوسائٹی نئی کراچی۔ سندھ گورنمنٹ ہسپتال، یو پی سوسائٹی، نئی کراچی
- بنارس چوک۔ سوشل سیکوریٹی میڈیکل سینٹر، بنارس چوک کراچی
- اورنگی نمبر ۵۔ ریڈ کریسنٹ ہسپتال، اورنگی نمبر ۵ کراچی
- اورنگی نمبر ۱۴۔ ریڈ کریسنٹ ہسپتال اورنگی نمبر ۱۴۔ کراچی
- قصبہ کالونی۔ ۱ے - ۱۲۰/۷، قصبہ کالونی کراچی
- منگھوپیر۔ گرم چشمہ، منگھوپیر۔ کراچی
- بلدیہ ٹاؤن۔ ۵، سی، ۱۲۰/۱ سعید آباد بلدیہ ٹاؤن۔ کراچی
- شیر شاہ۔ ڈی ۵/۳۰، شیر شاہ کالونی
- ماری پور۔ پی۔ اے۔ ایف مسرور بیس ماری پور کراچی

منصوبہ برائے بہبود آبادی

بچے ۔ دو ہی اچھے
خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے اپنائیں۔

P.I.D. ISLAMABAD

اس مہینے کا نام کیسے پڑا؟

محمد اسلم شیخوپوری

جمادی الثّانی

جمادی الآخری جمادالآخری اسلامی سال کا چھٹا مہینہ ہے، عوام تو عوام اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اس کے تلفّظ میں غلطی کر جاتے ہیں، عام طور پر جمادیُ الثّانی بولا جاتا ہے، حالانکہ اصل میں یہ لفظ جمادیُ الاُخریٰ یا جمادیُ الثّانیہ ہے۔ جمادیُ الاُولیٰ سے جس سردی کا آغاز ہوتا تھا اُس کا اثر اس مہینے میں بھی باقی رہتا تھا اور کڑکڑاتے جاڑوں کی وجہ سے پانی جم جاتا تھا۔ حضرت عمرِ فاروق رضؓ کے بیٹے اور حضورؐ کے جانثار عاشق حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ گیارہ ۱۱/ جمادیُ الاُخریٰ ۴۷ھ میں فوت ہوئے۔ امام زین العابدین اس ماہ کی پندرہ ۱۵/ کو ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ نبوت کے پہلے سال ۲۰/ جمادیُ الاُخریٰ کو حضرت فاطمہ رضؓ پیدا ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی چاروں بیٹیوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت فاطمہ رضؓ سے تھی۔ وہ جنّت میں عورتوں کی سردار ہوں گی۔ ۱۳ھ ۲۲/ جمادیُ الاُخریٰ کو حضورؐ کے پہلے خلیفہ امیرالمؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضؓ فوت ہوئے اور اس سے اگلے دن یعنی ۲۳/ کو مسلمانوں نے حضرت عمرِ فاروق رضؓ کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ وہ دس سال سے زیادہ مسلمانوں کے امیر رہے۔ ان کا دورِ خلافت انتظامِ حکومت اور عدل و انصاف کے اعتبار سے ایک مثالی دَور تھا۔

مولا بخش

رُوحی کُنجاھی

ہم کو کہتا ہے یار مولا بخش
ہے بڑا ہوشیار، مولا بخش

آڑ میں دوستی کی اے یارو
ہم کو کرتا ہے خوار، مولا بخش

اُس بچارے کا ہے خدا حافظ
جس سے کرتا ہے پیار، مولا بخش

آج کا حِصّہ آج دیتا ہے
نہیں کرتا اُدھار، مولا بخش

توڑ کرنا پڑے گا کچھ اِس کا
یوں نہ مانے گا ہار، مولا بخش

کر لیا یاد ہم نے اپنا سبق
ہو گیا سوگوار، مولا بخش

میرا بچپن

مُستنصر حسین تارڑ

انسان کا بچپن کب ختم ہوتا ہے؟ اور بچپن کسے کہتے ہیں؟... یہ سوال بہت ضروری ہیں اور ان کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ شاید بچپن ایک مخصوص رویّے کا نام ہے۔ شاید یہ اُس حیرت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں آنے والے ہر بچّے کو دیتا ہے اور جب وہ چیزوں کو دیکھتا ہے، اُس کی نِگاہ میں، دریا، سمندر، پہاڑ، درخت، پھول، پتّے اور جانور آتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے اور حیران ہوتا ہے کہ یہ کیا چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں کیسے تخلیق کیا، اور جو ہستی ان خوبصورت مناظر اور اشیاء کو بنا سکتی ہے، وہ کتنی عظیم اور مہربان ہوگی۔ شاید یہ اُس خوشی کا نام ہے جو خواہ مخواہ بدن سے پھوٹتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں اُسے باہر لے آتی ہیں۔ کھانے کو کوئی اچھی چیز۔ پہننے کے لیے کوئی کپڑا۔ کسی دوست کی مسکراہٹ۔ ایک تتلی، ایک چیونٹی اور تیز ہَوا کے ساتھ تیزی سے اُڑتے ہوئے مست بادل اور اسکول میں غیر متوقع چھٹی... یہ سب وہ خوشی عطا کرنے والی چیزیں ہیں، جسے ہم بچپن کہہ سکتے ہیں... تو پھر مجھے تو ٹھیک سے معلوم نہیں کہ میرا بچپن ختم ہوا ہے یا نہیں... کیونکہ مجھ میں حیرت اور خوشی کم تو ہوئے ہیں لیکن ختم نہیں ہوئے...

بچپن ایک ایسا زمانہ ہوتا ہے جب صبح بہت عرصہ تک رہتی ہے، جب دوپہر بہت ہی طویل ہوتی ہے اور شام کبھی ختم نہیں ہوتی، اور اس طویل زندگی میں سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جائے اور جب کچھ کرنے کو مل جاتا ہے تو وقت اُسی وقت ختم ہو جاتا ہے... مجھے خوش قسمتی سے ایک بہت ہی محبّت والا اور پیارا بچپن ملا۔ چونکہ میرے والدین

محبّت کرنے والے ہیں، اس لیے انھوں نے مجھے بچپن میں کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔۔۔میں جو مانگتا تھا وہ مل جاتا تھا۔۔۔ لیکن بعد کی زندگی میں بہت مایوسی ہوئی کہ جو کچھ مانگتے تھے، وہ تو بالکل نہیں ملتا تھا کچھ اور مل جاتا تھا۔۔۔یعنی میں نے اپنی تعلیم کا آغاز اسکول سے نہیں بلکہ چیمبرلین روڈ کی مسجد تاجے شاہ سے کیا۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ مسجد میں جانے کی خوشی میں محلّے والوں کو زنگا رنگ بُوندی تقسیم کی گئی تھی۔ میں مسجد میں گیا تو اُس روز ایک اور بچّی بھی داخل ہوئی تھی جس نے گوٹے والے کپڑے پہن رکھے تھے اور ماتھے پر جھومر لگا رکھا تھا۔ مجھے وہ جھومر بہت پسند آیا اور میں نے اُسے کہا کہ میں تمھیں مٹھائی دوں گا تم جھُومر دے دو۔ اُس نے مجھے سونے کا جھُومر دے دیا۔ مولوی صاحب کو جب پتا چلا تو وہ بے حد ناراض ہوئے۔۔۔اور شاید زندگی میں پہلی بار مجھے مار وہاں پڑی۔۔۔ماریں تو میں نے بہت اور بڑی زوردار کھائی ہوئی ہیں۔ میرے والد چوہدری رحمت خاں تارڑ تو بہت ہی نرم دِل شخص ہیں اور وہ انتہائی غصّے میں آکر اگر پھٹ پڑیں تو اُن کی آخری گالی "اُلّو" ہوتی ہے۔ امّی البتّہ اکثر گوشمالی کرتی تھیں۔ اُدھر مسجد کے مولوی صاحب بھی کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ میرے ماموں اللہ بخشے۔۔۔ وہ بھی مار پیٹ میں بہت یقین رکھتے تھے۔ پیار بھی کرتے تھے اور پھر اُسی حساب سے پھینٹی بھی لگاتے تھے۔ ان کا پسندیدہ "ہتھیار" باٹا کا بھاری سلیپر ہُوا کرتا تھا جسے وہ آزادانہ استعمال میں لاتے تھے۔ ایک مرتبہ میں ایک سینما گھر کے سامنے کھڑا ہو کر اداکاروں کی تصاویر دیکھ رہا تھا کہ ایٹم بَم گِر پڑا۔ کم از کم ایٹم بم گرنے سے جو تباہی ہوتی ہے تقریباً اُسی قسم کی تباہی سے میں دوچار ہوا۔ اور یہ بَم ماموں جان کا سلیپر تھا جو میرے سَر پر گِرا تھا۔ انھوں نے مجھے وہاں کھڑے دیکھا تھا اور پیچھے سے بھرپور حملہ کیا تھا۔۔۔ مسجد کی تعلیم کے بعد میں لاہور کے رنگ محل مشن ہائی اسکول میں داخل ہو گیا جہاں کی استانیاں بہت کالی ہوتی تھیں اور جہاں کے چاک بہت رنگین ہوا کرتے تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب جن کا نام کے ایل للیا رام تھا بہت گورے چِٹّے تھے۔ میں اسی اسکول میں تھا جب پاکستان قیام میں آیا اور میں ایک روز جب ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی سرکلر روڈ پر لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور مکانوں کو آگ لگی ہوئی تھی روتا اور شور مچاتا بڑی مشکل سے گھر پہنچا تھا۔

میں نے اپنے بچپن کا کچھ حصّہ گکھڑ منڈی میں گزارا۔ یہ قصبہ میرا ننھیال تھا اور ظاہر ہے لاہور کی نسبت بہت ہی "پینڈو" تھا۔ مجھے یہاں خاصی تکلیف ہوتی کیونکہ میں ایک شہری بچّہ تھا اور مجھے شہر کی سہولتوں کی عادت تھی، لیکن آہستہ آہستہ میں بھی پینڈو ہو گیا اور پھر ساری عمر پینڈو ہی رہا۔ گکھڑ منڈی کا نارمل اسکول ایک وسیع پارک کی طرح تھا۔ دُور دُور سے لوگ اُستاد بننے کے لیے آتے تھے۔۔۔اِسی قصبے کے قیام کی وجہ سے میں پنجاب کو تھوڑا بہت سمجھ سکا۔ اور آئندہ زندگی میں گاؤں کے حوالے سے جو کچھ لکھا اُس میں گکھڑ منڈی کا بہت بڑا حصّہ تھا۔ میرے پنجابی ناول "پکھیرُو" میں جو گاؤں ہے وہ یہی ہے۔۔۔ نارمل سکول میں خالص پاکستانی سزاؤں کا راج تھا۔ چنانچہ مجھے بھی دوسرے بچّوں کی

طرح متعدّد بار مُرغا بننے کا شرف حاصل ہُوا اور اگر آج میرے کان ذرا گدھوں جیسے ہیں یعنی لمبے ہیں تو یہ بھی اُسی زمانے کی یادگار ہیں ۔۔۔ گکھڑ منڈی میں ہم اپنی نانی جان کے گھر میں رہائش پذیر تھے ۔ نانی جان بہت صاف سُتھری اور چوہدرانی قِسم کی خاتون تھیں اور باقاعدگی سے نماز ادا کرتی تھیں ۔ ماہِ رمضان میں اُن کی دیکھا دیکھی میں بھی روزہ رکھ لیتا اور پھر میرا بہت بُرا حال ہوتا ۔۔۔ اور وہ دو بجے کے بعد روزہ کھولنے کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتیں ۔ خاص طور پر باداموں کو گھوٹنے لگتیں اور پھر اُنھیں دُودھ میں ملا کر ایک قسم کا ملک شیک تیار کر لیتیں ۔۔۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ بسنت پر میرے لیے خاص طور پر لاہور سے گڈّیاں اور ڈور منگائے گئے ۔ گاؤں میں پتنگیں وغیرہ اڑانے کا رواج نہ تھا ۔ اس لیے جب میں نے ایک کھیت میں کھڑے ہو کر ایک بہت بڑا گڈّا فضا میں بلند کیا تو پورے گاؤں کے کوّے شور مچاتے ہوئے اس کے گرد ہو گئے کہ پتا نہیں یہ کون سا پرندہ ہے اور مجھے مجبوراً اُسے اُتارنا پڑا ۔

لاہور واپسی ہوئی تو میں پھر رنگ محل سکول میں واپس چلا گیا ۔ وہاں سے پانچویں جماعت پاس کرنے کے بعد میں مُسلم ماڈل سکول میں داخل ہوا ۔۔۔ میں کچھ زیادہ شرارتی بچّہ نہیں تھا، لیکن اتنا شریف بھی نہیں تھا اس لیے اکثر اوقات مولا بخش سے ملاقات رہتی ۔ مثلاً سالانہ امتحان ہو رہے ہیں اور میں برف کا ایک بڑا سارا ٹکڑا جیب میں ڈال کر کمرے میں لے گیا اب امتحان شروع ہوتا ہے ۔ میرے آگے ایک لڑکا کمال بیٹھا ہوا ہے اور دھڑا دھڑ لکھنے میں مصروف ہے میں بڑے آرام سے وہ برف اُس کی قمیض کے کالر کے اندر ڈال دیتا ہوں ۔ برف کا ٹکڑا اُس کی بنیان سے اٹک جاتا ہے اور اور اُس کی ٹھنڈک سے کمال یکدم "یا ہُو" قِسم کا نعرہ لگاتا ہے ۔ اس پر ماسٹر رحمت خان آجاتے ہیں اور امتحان کے دوران شور مچانے پر اُس کی خوب پٹائی کرتے ہیں ۔ اور ہم معصوم بنے بیٹھے رہتے ہیں ۔

اکثر لوگوں کو اپنا بچپن بہت یاد آتا ہے، لیکن میں اس معاملے میں ذرا مختلف ہوں کیونکہ بچپن میں مجھ میں خوف بہت تھا اور اگر میں گھر کا کام نہ کر سکتا تو مجھے بخار ہو جاتا ۔ اسکول ایک مصیبت تھا اور میں جب صبح اُٹھ کر سکول جانے کی تیاری کرتا تو بھی بے حد ڈرا ہوا ہوتا کہ پتا نہیں آج کیا ہو جائے گا ۔۔۔ میں سکول کا بزمِ ادب کا صدر بھی منتخب ہوا تھا ۔ اس کے الیکشن ہوئے اور میرے مخالف امیدوار عمر فاروق مودودی تھے ۔ جو اُن دنوں میرے دوست ہوا کرتے تھے ۔ اس بزمِ ادب میں مَیں "پاگل نگر کی خبریں" کے عنوان سے ہونق اور احمقانہ قسم کی خبریں پڑھا کرتا تھا ۔ یہ خبریں جوڑنے کے لیے میں ہر وقت سوچتا رہتا کہ کیا عجیب و غریب بات بناؤں کہ تمام کلاس ہنس ہنس کر دوہری ہو جائے ۔۔۔ بس وہ دِن اور آج کا دِن میں "پاگل نگر کی خبریں" جوڑتا ہوں اور اب پڑھنے کی بجائے انھیں لکھ دیتا ہوں اور وہ کتابوں کی صورت میں چھپ جاتی ہیں ۔۔۔ میں نے کہا تھا نا کہ انسان کا بچپن پتا نہیں کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے ۔۔۔ لو، بچپن کسے کہتے ہیں ؟

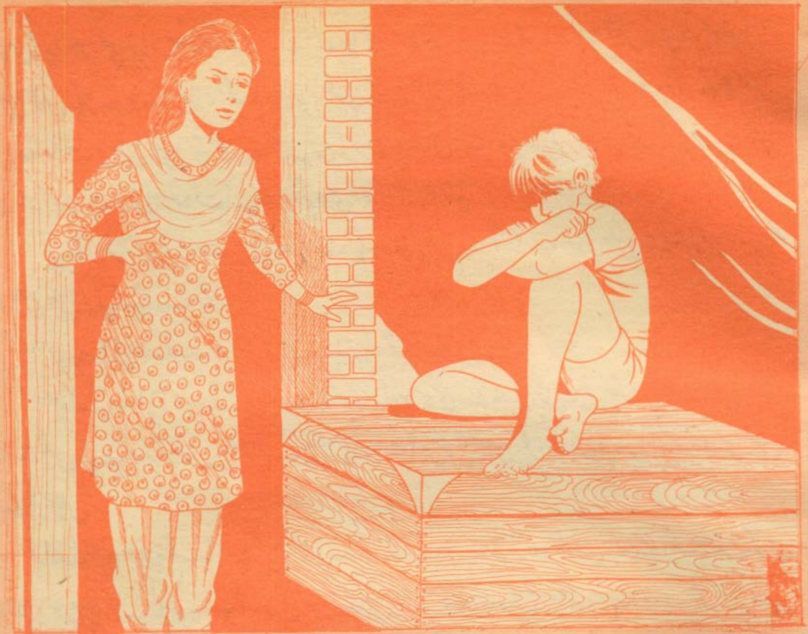

کالیا

ابنِ شہباز خان

اُس کے ماں باپ نے تو اس کا نام خرم رکھا تھا، مگر بعد میں یہ نام کالیا میں بدل گیا۔ تین بہنوں کے بعد بڑی منتوں اور مُرادوں سے وہ اس دنیا میں آیا تھا۔ اس لیے گھر میں اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اس کی بہنوں میں اسے گود میں لینے پر اکثر جھگڑا ہو جاتا تھا۔ وہ پیار کر کر کے اس کے کالے چہرے کو سُرخ کر دیتیں اور وہ گھبرا کر زور زور سے رونے لگتا تو امّی دوڑی آتیں اور بیٹیوں کو ڈانٹ کر اپنے اکلوتے بیٹے کو گود میں لے کر پیار کرنے لگتیں۔ اس وقت کسی کو یہ خیال نہیں تھا کہ وہ کالا ہے۔ بدصورت ہے۔ اس کا ناک نقشہ اچھا نہیں ہے۔ ان دنوں وہ گھر بھر کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ابّو جانی شام کو دفتر سے آتے ہوئے روز اس کے لیے کھلونے اور طرح طرح کی کھانے پینے کی چیزیں لاتے تھے۔ دفتر سے آتے ہی ان کا سب سے پہلا سوال یہی ہوتا۔ "خرم کہاں ہے؟"

خرم حیران تھا کہ وہ دن کہاں گئے؟ یہ سارے لوگ کیوں بدل گئے؟ اب تو یوں لگتا تھا، جیسے اس کا وجود ہے ہی نہیں وہ اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہتا تھا کہ شاید کسی کو اس کا خیال آ جائے اور وہ پاس بلا کر اُسے پیار کرے

مگر اس کا یہ ارمان کبھی پورا نہ ہو سکا' لے دے کے ایک آپا تھیں۔ جو دوسروں سے قدرے بہتر تھیں۔ وہی اس کا خیال رکھتی تھیں۔ کپڑے بدلوانا، نہلانا، کھانا کھلانا' اسکول کے لیے تیار کرنا ان کی ہی ذمّے داری تھی۔ مگر وہ گھر کے کاموں میں سارا وقت اس طرح جُٹی رہتی تھیں کہ انھیں خرّم کی طرف دھیان دینے کا بہت کم وقت ملتا تھا۔ مگر خرم اسے بھی غنیمت سمجھتا تھا اور زیادہ تر وقت اُن کے ارد گرد ہی منڈلاتا رہتا تھا۔

اُن دنوں خرّم تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ ایک دن اسکول سے آکر حسبِ معمول اس نے بستہ ایک طرف پھینکا اور چیخ چیخ کر آپا کو پُکارنے لگا۔

"کیا ہے ؟" آپا اندر کمرے سے نکل کر اس کے پاس آتے ہوئے بولیں۔

"بھوک لگی ہے آپا !" اس نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔ آپا خاموشی سے باورچی خانے میں جاکر اس کے لیے کھانا نکالنے لگیں۔ آپا بہت کم گو تھیں۔ وہ خرّم سے بھی زیادہ بات نہیں کرتی تھیں۔ مگر دوسروں کی طرح اُسے دور بھی نہیں بھگاتی تھیں۔

کھانا کھا کر خرم چھت پر پتنگ اُڑانے گیا تو لکڑی کے پُرانے صندوق پر بیٹھ کر اور ٹھوڑی کے نیچے ایک ہاتھ جما کر اس بات پر سوچ بچار کرنے لگا کہ یہ سب لوگ بدل کیوں گئے ہیں ؟ اُس کا ننھا سا دماغ دیر تک سوچتا رہا... مگر کوئی وجہ سمجھ میں نہ آسکی۔ ہاں اُس نے یہ نتیجہ ضرور نکالا تھا کہ جب سے اُس کا مُنّا سا بھائی ذیشان اُن کے گھر میں آیا تھا، تب سے ہی سارے لوگ اُس سے غفلت برتنے لگے تھے۔ پہلے یہ سب لوگ خرّم، خرّم کرتے تھے اور اب ان کی زبان پر ذیشان کے سوا کسی کا نام ہی نہیں آتا تھا۔ پہلے امّی اُسے اپنے پاس سُلاتی تھیں، مگر اب وہ دیکھتا تھا کہ امّی کے پاس سارا وقت ذیشان سویا رہتا تھا اور وہ امّی کے قریب آتا تھا تو وہ فوراً آپا کو آواز دے کر کہتیں "بیٹی گوہر ! یہ خرّم کو تو لے جاؤ یہاں سے یہ مُنّے کو تنگ کر رہا ہے" آپا فوراً آکر اُسے وہاں سے لے جاتیں۔

ایک دن موقع پاکر وہ چُپکے سے مُنّے کے جھُولے کے پاس گیا اور قریب ہو کر اُسے غور سے دیکھنے لگا مُنّا اُسے عجیب سا لگا۔ ننھا سا۔ سُرخ سُرخ۔ وہ بے اختیار اپنی انگشتِ شہادت بڑھا کر اُس کے رُخسار کو دبانے لگا۔

"ہائے اللہ !... خرّم ! یہ کیا کر رہا ہے" امّی کی بوکھلائی ہوئی آواز سُن کر اُس نے ڈر کر ہاتھ کھینچ لیا۔ اور جھُولے سے دُور ہٹ کے سہم کر کھڑا ہو گیا۔ امّی نے پاس آکر پہلے مُنّے کو دیکھا' پھر خرّم کا بازو جھنجوڑ کر آپا کے پاس لے گئیں "لے گوہر ! اسے سنبھال' نہ جانے مُنّے کے ساتھ کیا کر رہا تھا" امّی نے غصّے میں خرّم کو آپا کی گود میں گٹھری کی طرح پھینک دیا۔ اور بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں خرّم چیخ چیخ کر رونے لگا۔ جیسے گھر بھر کو امّی کی زیادتی سے آگاہ کرنا چاہتا ہو آپا اسے گود میں لے کر چُپ کرانے کی کوشش کرنے لگیں۔ خرّم نے جب دیکھا کہ اُس کے رونے سے کسی اور پر اثر نہیں ہو رہا ہے، اُلٹا آپا پریشان ہو رہی

ہیں تو وہ خود ہی چُپ ہوگیا۔ آپا ہی تو اس کی واحد غمگسار تھیں۔ وہ انھیں کیونکر پریشان کرسکتا تھا؟

خرّم سے جو باقی دو بڑی بہنیں تھیں۔ جواہر آپا اور ثمینہ آپا۔ پہلے وہ آپا سے اور آپس میں لڑتی رہتی تھیں کہ خرّم کو میں گود میں لوں گی جس کی وجہ سے امّی نے ان کی باری مقرر کردی تھی کہ اس وقت سے اس وقت تک جواہر اُسے گود میں لے گی اور فلاں وقت سے فلاں وقت تک ثمینہ۔ مگر اس میں بے ایمانی ہوجاتی تھی اور ہر بہن زیادہ دیر تک اُسے ساتھ رکھنے پر اصرار کرتی تھی۔ مگر اب تو جواہر آپا اور ثمینہ آپا اس کی طرف نظر اٹھاکر بھی نہیں دیکھتی تھیں وہ ہر وقت مُنّے کو لیے بیٹھی رہتی تھیں اور جس طرح پہلے خرّم کو پیار کرتی تھیں، اُسی طرح اُسے بھی چُوم چُوم کر اس کے سُرخ وسفید چہرے کو اور زیادہ سُرخ کردیتیں اور جیسا کہ خرّم اُس موقعے پر پریشان ہوکر رو دیا کرتا تھا۔ ایسے ہی مُنّا بھی رونے لگتا تھا۔

یہ سارا پیار اور محبت دیکھ دیکھ کر خرّم مُنّے سے جلنے لگا۔ اُسے مُنّے پر غصّہ آنے لگا وہ اکثر دل ہی دل میں کہتا۔ "مُنّا گندا ہے۔ اس نے میری امّی کو، ابّو جانی کو اور جواہر آپا اور ثمینہ آپا کو مجھ سے چھین لیا ہے۔ وہ گندا ہے۔ خراب ہے" ایسے موقعے پر وہ غصّے میں آکر امّی کے کمرے میں چلا جاتا، مگر مُنّے کے ساتھ امّی کو دیکھ کر پلٹ آتا۔ پھر وہ موقعے کی تاک میں رہنے لگا۔ جہاں مُنّا اکیلا ہوا، وہ لپک کے جاتا اور زور سے اس کے بدن پر چُٹکی لیتا۔ مُنّا چیخ اُٹھتا اور رونے لگتا۔ امّی یا دونوں چھوٹی آپائیں دوڑی آتیں، مگر خرّم فوراً بھاگ کھڑا ہوتا۔ ایسے کسی موقعے پر بڑی آپا کبھی نہیں آئیں۔ انھوں نے مُنّے میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ خرّم کی ان حرکتوں کی وجہ سے امّی مُنّے کے ساتھ ہر وقت رہنے کی کوشش کرتیں۔ اگر کبھی ضرورت سے اُٹھتیں بھی تو جواہر یا ثمینہ کو مُنّے کے پاس بٹھا جاتیں۔ یوں خرّم، مُنّے سے جو بدلہ لیا کرتا تھا اُس سے بھی محروم ہوگیا۔ پھر وہ دوسری چیزوں کی تاک میں رہنے لگا۔ کبھی وہ مُنّے کی دودھ کی بوتل چُھپا دیتا۔ کبھی اس کے لیے رکھا گیا دودھ گِرادیتا۔ میں اُٹھا کر چمکارتے ہوئے چلی گئیں۔

"ہونہہ! بڑی آئیں اپنے لاڈلے کی حمایتی!" جواہر نے منہ بگاڑ کر کہا۔

آج سارے گھر والے مسز بدر کے ہاں پارٹی میں جارہے تھے۔ جواہر اور ثمینہ تو صبح سے تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ امّی نے بھی آج خاص اہتمام کیا تھا۔ ابّو جانی سادہ سے سوٹ میں ملبوس تھے۔ آپا حسبِ معمول باورچی خانے میں گھسی ہوئی تھیں۔

"آپا! سب لوگوں نے اچھے اچھے کپڑے پہنے ہیں۔ مجھے بھی پہنائیے نا۔ دیکھیے، میرے کپڑے کتنے گندے ہورہے ہیں!" خرّم، آپا کے پاس آکر ان کا شانہ ہلاتے ہوئے بولا۔

"اچھا بیٹے! کھانا تیار ہوجائے" آپا نے ہانڈی میں چمچہ چلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوں ہوں۔ ابھی چلیے نا آپا۔ جواہر آپا اور ثمینہ آپا تو صبح سے تیار ہورہی ہیں!"

کبھی اس کے چھوٹے چھوٹے کپڑے چھپا دیتا یا انھیں پانی میں غوطے دے کر گیلا کر دیتا یا انھیں صحن کی مٹی سے رگڑ رگڑ کر میلا کر دیتا۔ اس بات پر اتی اُسے خوب ڈانٹتیں اور ابو جانی تو مار بھی لگاتے، مگر وہ باز نہ آتا اور موقع پا کر مُنّے کی کوئی نہ کوئی چیز خراب کر دیتا۔ یہ دیکھ کر ابو جانی نے جواہر اور ثمینہ کی ایک اور ڈیوٹی یہ لگا دی کہ وہ منّے کی چیزوں اور خرم پر نظر رکھیں۔ وہ دونوں سارا وقت خرم کو گھورتی رہتیں اور اُسے بُرا بھلا کہتیں۔ خرم انھیں منہ چڑا کر اور ٹھینگے دکھا دکھا کر ہنستا رہتا اور وہ جلتی بھُنتی رہتیں۔

"کالیا کہیں کا۔ اس نے تو جان عذاب میں ڈال رکھی ہے"۔ جواہر اُسے گھورتے ہوئے بولی۔

"اس کا تو بس ایک ہی علاج ہے جواہر آپا! کہ اسے بندر کی طرح پنجرے میں بند کر دیا جائے"۔ ثمینہ نے جو کہانی کی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی، کتاب سے نظریں اُٹھا کر خرم کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تم نے مجھے کالیا کیوں کہا؟" خرم بڑے غصّے میں بولا اور تیزی سے قریب آکر جواہر کے زور سے چٹکی لی۔ جواہر نے چیخ ماری اور خرم کے رخسار پر تھپڑ جڑ دیا۔ خرم رو دیا اور غصّے میں جواہر کو نوچنے کھسوٹنے لگا۔ جواہر اپنے آپ کو اُس سے چھڑانے کے ساتھ ساتھ مار بھی رہی تھی۔ اور چیخ چیخ کر رو بھی رہی تھی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر ثمینہ اُٹھی اور خرّم کو بازوؤں سے پکڑ کر الگ کر دیا۔ جواہر نے آزاد ہوتے ہی تڑ تڑ خرم پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ اس دوران میں آپا بھی آ موجود ہوئیں۔

"جواہر! یہ کیا بدتمیزی ہے۔ یہ تمھارا بھائی ہے یا دشمن، جو اس بے دردی سے تم اسے پیٹ رہی ہو۔ ذرا بھی رحم نہیں ہے تمھارے دل میں؟" آپا پہلی بار بڑے سخت لہجے میں بولیں اور جواہر کو پرے دھکیل کے خرّم کو گود "بیٹا! وہ لڑکیاں ہیں، اس لیے"۔ آپا نے اس کے بکھرے بالوں کو ہاتھ سے درست کرتے ہوئے کہا۔ خرم خاموشی سے پلٹ آیا۔

آپا نے سب کو کھانا دیا اور برتن دھونے بیٹھ گئیں۔ خرم بار بار اُن کے پاس آتا اور انھیں کام میں مصروف دیکھ کر چلا جاتا۔

"جواہر آپا! تم مجھے تیار کر دو نا! بڑی آپا تو کام کر رہی ہیں"۔ بالآخر خرم جواہر کے پاس چلا آیا۔

"ہونہہ! میں کیوں تیار کروں۔ اور پھر تمھارے جیسے کالیے کا اس پارٹی میں کیا کام!... اس میں تو سب اچھے اچھے لوگ آئیں گے۔ خوبصورت خوبصورت سے!" جواہر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ خرم نے ثمینہ کی طرف اُمید بھری نظروں سے دیکھا۔ مگر وہ بھی منہ بگاڑ کر اپنے کام میں لگ گئی۔ مایوس ہو کر وہ سر جھکائے کمرے سے نکل آیا اور دوبارہ آپا کے پاس جا کھڑا ہوا۔

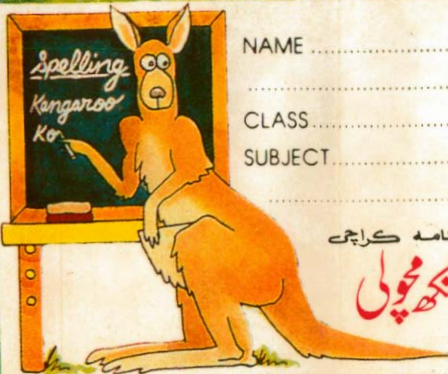

NAME ....

....

CLASS ....

SUBJECT ....

....

ماهنامه کراچی

آنکھ مچولی

NAME ....

....

CLASS ....

....

SUBJECT ....

ماهنامه کراچی

آنکھ مچولی

بالآخر آپا کو فرصت نصیب ہو ہی گئی۔ انھوں نے خرم کو نہلایا اور سب سے اچھا جوڑا نکال کر اُسے پہنایا۔ اس کے بعد وہ خود تیار ہونے لگیں۔

"ارے بھئی کہاں رہ گئیں گوہر بیٹی! چلو دیر ہو رہی ہے" ابوجانی کی آواز سُن کر آپا اپنے کمرے سے نکلیں۔ باہر صحن میں امی جواہر اور ثمینہ اور ابوجانی سب ہی تیار کھڑے ان کے منتظر تھے۔ ننھا ذیشان خوبصورت لباس میں ملبوس امی کے کندھے سے لگا تھا۔

"ارے، خرم کہاں گیا؟" آپا خرم کو نہ پا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

"ارے بھئی رہنے دو اُسے۔ اگر اُسے لے گئے تو پارٹی میں ہمارا تماشا بن جائے گا" ابوجانی سر جھٹک کر بولے۔

"جی؟ آپا" ابوجانی کی طرف حیرت سے دیکھنے لگیں۔

"صحیح تو کہہ رہے ہیں۔ لوگ اُسے دیکھ کر طرح طرح کی باتیں کریں گے" امی نے مُنّے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ابوجانی کی حمایت کی۔

"ہاں اور کیا! لگتا ہی نہیں، وہ ہمارا بھائی ہے" جواہر دبے لہجے میں بولی۔

"کالیا۔۔۔!" ثمینہ بُدبُدائی اور کھی کھی کرنے لگی۔ ابوجانی نے اُسے گھُور کر دیکھا تو وہ فوراً منہ پر ہاتھ رکھ کر چُپ ہو گئی۔

"تم کھڑی کیا سوچ رہی ہو گوہر! چلو نا بھئی، دیر ہو رہی ہے" ابوجانی کلائی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کچھ بیزاری سے بولے۔

"آپ لوگ جائیے۔ میرا جی نہیں چاہ رہا!" آپا نے دھیرے سے کہا اور خرم کو دیکھنے چل پڑیں۔

"یہ لڑکی تو دیوانی ہوئی ہے۔ آپ چلیے پہلے ہی دیر ہو چکی ہے" امی، ابوجانی سے مخاطب ہوئیں۔ وہ چونکے اور آگے بڑھنے لگے۔ باقی لوگ بھی ان کے پیچھے چل دیے۔

آپا کو بالآخر خرم مل گیا وہ حسبِ معمول چھت پر پُرانے لکڑی کے صندوق پر بیٹھا رو رہا تھا۔ اُس نے اپنے کپڑوں پر مٹی مَل کر اُنھیں گندا کر دیا تھا۔ بال نوچ کر خراب کر دیے تھے اور رو رو کر آنکھیں سُجالی تھیں۔ آنسوؤں نے اس کے چہرے پر میلی میلی لکیریں بنا دی تھیں۔

"آپا! کیا میں کالیا ہوں، گندا ہوں؟" خرم نے انھیں اپنے پاس آتے دیکھ کر ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سوال کیا اور رونے لگا۔

"نہیں بیٹا!۔۔۔ بالکل نہیں!" آپا نے اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا اور خود بھی اُس کے ساتھ رونے لگیں

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت۔ جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

مستقبل کی بڑی ذمّہ داریوں کے لئے ابھی
سے اپنے ذہن کو تروتازہ اور جسم کو توانا رکھیے
غیر متوازن غذائیں انسانی جسم کی تمام
ضروریات پوری نہیں کرتیں۔
دودھ واحد غذا ہے جو انسانی جسم کو زیادہ
سے زیادہ قوّت فراہم کرتی ہے۔

قدرت کی عطا کردہ اِس انمول نعمت میں
کیلشیمؔ، پروٹین، وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزا
شامل ہیں۔ دُودھ کا روزانہ استعمال۔ اچھّی صحت،
بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہے
دن میں دوبار دودھ پینا اپنی عادت بنا لیجے۔
چاہیں تو دُودھ میں چاکلیٹ
یا شربت ڈال کر پی سکتے ہیں۔

یوں گویا۔
غذا کی غذا
مزے کا مزا

اشتہار برائے بہبود اطفال: منجانب ماہنامہ آنکھ مچولی، کراچی

MASS

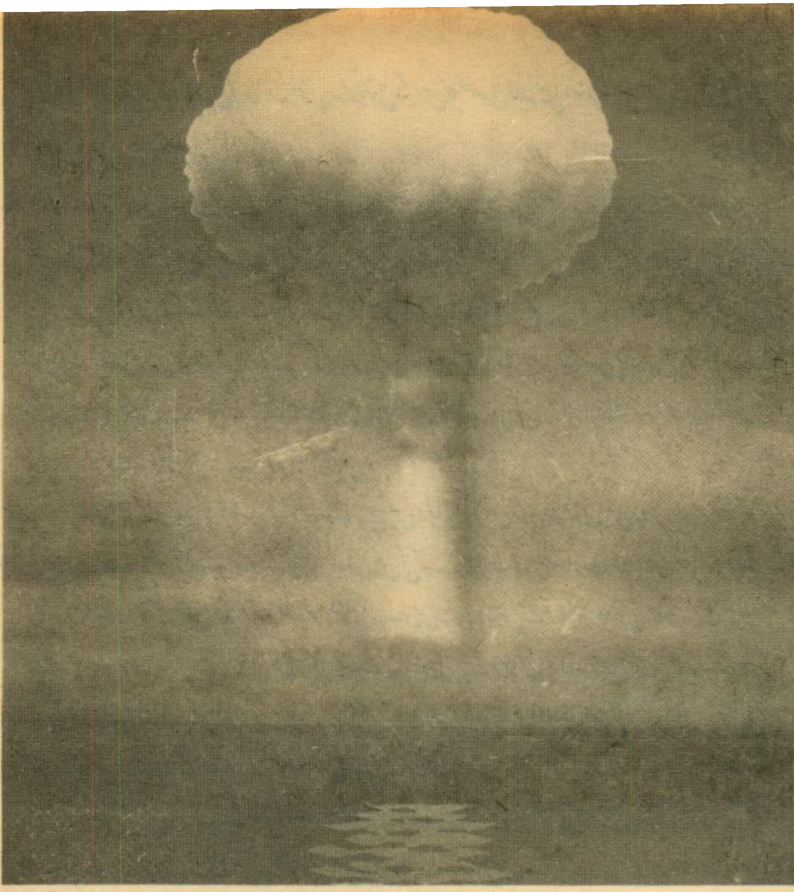

اگر ایٹمی جنگ ہوئی تو کیا ہو گا ؟

شین فاروقی

جنگ سے کسے نفرت نہیں ہوگی۔ کیونکہ جب جنگ ہوتی ہے تو اُس میں معصوم بچے اور بے گنا
انسان مارے جاتے ہیں، لیکن یہ جاننے کے باوجود کہ جنگ ایک قابلِ نفرت شے ہے تمام م
ممالک اربوں روپے کے ہتھیار خریدتے اور جمع کرتے ہیں اور اب تو امریکہ اور روس جیسی عالمی طاقتوں نے اتنے

مہلک ایٹمی ہتھیار بنا لیے ہیں کہ سائنسدانوں کے بقول اگر اس کا معمولی حصّہ بھی استعمال میں لایا جائے تو پوری دنیا کو دس منٹ میں نیست و نابود کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت دُنیا طاقت اور نظریات کے اعتبار سے دو بلاکوں میں بٹی ہوئی ہے۔ دنیا کے کچھ ممالک امریکہ اور کچھ رُوس کے حلقۂ اثر میں ہیں اور یہ دونوں عالمی طاقتیں سب سے زیادہ اسلحہ پیدا کر رہی ہیں اور اپنی اسی طاقت کے بل بوُتے پر دونوں ممالک آئے دن ایک دوسرے کو للکارتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے اکثر یہ خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں ان ملکوں میں جنگ نہ چھڑ جائے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں دُنیا ایٹمی جنگ کی لپیٹ میں آ سکتی ہے۔ ایٹمی جنگ کے اسی خوف نے دُنیا کے مختلف ممالک میں ایسی منظم تنظیموں کی بنیاد ڈالی ہے جو شدید طریقے سے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے خلاف لوگوں کی رائے ہموار کر رہی ہیں۔

شاید انہی تنظیموں کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں دنیا کی دونوں بڑی طاقتوں یعنی روس اور امریکہ کے سربراہوں نے ۸، دسمبر ۱۹۸۷ء کو پہلے سے موجود ایٹمی ہتھیاروں میں کمی کرنے کا ایک تاریخ ساز معاہدہ کیا۔ یہ معاہدہ امریکی صدر کی ذاتی رہائش گاہ وہائٹ ہاؤس کے ایک مخصوص شمالی کمرے میں طے پایا۔ جس کے مطابق دونوں ممالک اگلے تین سال کے عرصے میں ۲۸۰۰ میزائل اور ۳۸۰۰ دیگر ایٹمی ہتھیار تباہ کر دیں گے۔ بلاشبہ یہ ایک تاریخ ساز فیصلہ ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اقدام اونٹ کے منہ میں زیرہ کے مترادف ہے، یعنی اب بھی ان دونوں ممالک کے پاس اتنے ایٹمی ہتھیار موجود ہیں جس سے ہر وقت دنیا کے امن کو شدید خطرہ لاحق ہے۔

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ خدانخواستہ ان دو بڑی طاقتوں کے درمیان اگر کسی بڑی ایٹمی جنگ کا آغاز ہو گیا تو اس بات کا امکان موجود ہے کہ اس روئے زمین پر انسانی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔

ماہرین کا خیال ہے کہ کسی ایسی جنگ سے اگر زمین پر کہیں کچھ انسان بچ بھی گئے جس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے تو اس دنیا میں پھر تہذیب یافتہ انسانی معاشرے کو قائم کرنا ممکن نہیں ہوگا اور وہ لوگ جو اس جنگ کے بعد زندہ بچ جائیں گے ان میں کسی مذہب یا اخلاقی تعلیم کی تبلیغ قطعی طور پر ناممکن ہو جائے گی۔ کیونکہ انسانوں کا اعتبار ان تمام چیزوں پر سے ختم ہو جائے گا۔

ایٹمی جنگ کی تباہ کاریوں پر ہونے والی تحقیق کے مطابق اس جنگ کے بعد دنیا میں انسانوں کے علاوہ جانوروں اور ہر طرح کے کھانے پینے کی اشیاء کی شدید قلت ہو جائے گی۔

سویڈن سے شائع ہونے والے ایک رسالے ایم بی او کی ایک رپورٹ کے مطابق اس طرح کی ایٹمی جنگ میں اگر ۵،۵۰۰ میگاٹن ایٹمی مادہ استعمال کیا گیا تو دنیا کے نصف شمالی حصے میں آباد ایک ارب ۲۹ کروڑ افراد میں سے ۷۵ کروڑ افراد فوراً

ہلاک ہوجائیں گے، جب کہ ۴۵ کروڑ افراد ایٹمی تابکاری یعنی RADIATION کا شکار ہوجائیں گے۔ اس جنگ کے مہلک اثرات سے اندازہ ہے کہ کُل آبادی کے ۱۰ فیصد افراد محفوظ رہ جائیں گے، لیکن ان افراد کی زندگی بھی غیریقینی ہوگی اور اِن افراد کو ہولناک جنگ کے خوفناک اثرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تاہم سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اس صورتِ حال سے قبل ہی ان میں سے بھی بیشتر افراد ہلاک ہوجائیں گے کیونکہ ایٹمی مادّے سے خارج ہونے والی تابکاری کے اثرات سے فضا، پانی اور خود زمین زہریلے ہوجائیں گے اور زمین پر پینے کا پانی اور کھانے کی اشیاء کی شدید قلت ہوجائے گی اور یہ افراد طاعون، ہیضے، پیچش اور ایسی ہی بہت سی مہلک بیماریوں کا شکار ہوجائیں گے۔ چنانچہ ان زندہ بچ جانے والے انسانوں کو بھی کسی اعتبار سے خوش قسمت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ایٹمی جنگ کے مہلک اثرات کا اندازہ جاپان کے ہیروشیما اور ناگاساکی جیسے شہروں کی موجودہ زندگی سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ جہاں ایٹمی جنگ کے ۴۰ سال بعد بھی اس جنگ کے اثرات موجود ہیں مثال کے طور پر ان شہروں میں آباد لوگوں میں کینسر اور لوکیمیا جیسی موذی بیماریاں ایٹمی تابکاری اثرات کا شکار نہ ہونے والے افراد کے مقابلے پر چار سے پانچ گنا زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ پھیپھڑے اور انسانی جسم کے دوسرے اعضاء کی بیماریاں بھی ان دو شہروں میں دیگر جگہوں کے مقابلے پر زیادہ پائی جاتی ہیں۔

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ایٹمی جنگ کے بعد اس روئے زمین کا فطری ماحول مکمل طور پر تباہ ہوجائے گا۔ مثلاً ایٹمی دھماکے سے فضا میں اتنی گہری دُھول پھیل جائے گی کہ سورج کی روشنی زمین تک کئی ماہ تک نہیں پہنچ پائے گی۔ جس کے باعث پوری زمین نہ صرف یہ کہ تاریک ہوجائے گی بلکہ سورج کے نہ نکلنے کے باعث پوری زمین شدید سردی اور برف باری کی زد میں آجائے گی۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ایٹمی دھماکے سے خارج ہونے والی تابکاری سے انسانی جسم کی موجودہ ساخت میں زبردست جینیاتی یعنی GENETIC تبدیلیاں رونما ہوں گی یہ تبدیلیاں اس حوالے

سے نہایت خطرناک ہوں گی کہ ان کے اثرات صرف ایک نسل تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ یہ اثرات ایک نسل سے دوسری نسل تک نہ جانے کب تک منتقل ہوتے رہیں گے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ایٹمی جنگ کے یہ جینیاتی اثرات لنگڑے لولے اور پاگل بچوں کی پیدائش، بچوں کی قبل از وقت پیدائش اور قبل از وقت موت کی صورت میں نمودار ہوں گے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ ایٹمی جنگ کے بعد زمین پر نئی اقسام کے پودے اور نئی طرز کے جانوروں کی پیدائش کا امکان ہے۔ یہ تبدیلی بھی انسانی زندگی کے لیے خطرناک ہوگی۔ کیونکہ انسان کو ان نئے فطری عناصر کے ساتھ خود کو مانوس کرنے میں وقت لگے گا۔ پھر یہ کہ ان نئی اقسام کے پیڑ، پودوں اور جانوروں سے انسانوں کو نئی اقسام کی بہت سی ذہنی وجسمانی بیماریاں لاحق ہو جانے کا خطرہ بھی موجود ہے۔ اس طرح ایٹمی جنگ کے بعد زندہ بچ جانے والے لوگوں کی زندگی ہزاروں اذیتوں کی ایک ایسی دلدل میں پھنس جائے گی جس سے نکلنا اُن کے بس میں نہیں ہوگا شاید ایٹمی جنگ کے انہی مہلک اثرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جدید دنیا کے تمام ذہین افراد ایٹمی جنگ کے امکان کو اس دور کے انسانوں کا سب سے بڑا خوف قرار دے رہے ہیں اور ہر سطح پر اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔

آیئے! ہم سب بھی ایٹمی جنگ کی مخالفت کرنے والے انسان دوست افراد کی آواز میں اپنی آواز ملا کر دنیا کو دائمی امن کا گہوارہ بنانے کی بامعنی کوشش کریں۔ یاد رکھیں کہ اگر آج ہم میں سے ہر فرد نے ایسا نہ کیا تو ہماری آنے والی نسلیں ہمیں نفرت اور حقارت کے جذبات کے ساتھ یاد کریں گی۔

باصلاحیت اور غیر معمولی بچوں سے دوسرے ساتھیوں کو متعارف کرانے کے لئے

آئندہ مہینے سے ہم ایک نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ اس میں ملک بھر سے کوئی بھی ساتھی اپنا تعارف ارسال کر سکتا ہے۔ تعارف بھیجنے سے قبل ان باتوں کو ذہن میں رکھیے

نئے چراغ

آنکھ مچولی کا نیا سلسلہ

- کیا آپ اپنے اسکول میں اوّل آئے ہیں؟
- کیا آپ نے کبھی بڑا انعام حاصل کیا ہے؟
- کیا آپ نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے؟
- کیا آپ نے کوئی چیز ایجاد کی ہے؟
- یا کوئی نئی اور معلوماتی بات دریافت کی ہے؟

تو آج ہی اپنے کام کی تفصیل اپنی تصویر اور ہیڈ ماسٹر کے تصدیق نامے کے ساتھ ہمیں بھیج دیجئے۔ ہم ضرور شائع کریں گے۔

ٹلّو میاں کی شرارتیں اور انجام

جہاں قالین وہاں صفائی

سنو وہائٹ
ڈرائی کلیننگ انڈسٹری، کراچی

ہیڈ آفس:
عبداللہ ہارون روڈ فون: ۵۱۱۷۱۱

شاخیں:

- بہادر آباد فون: ۴۱۳۶۹۵
- جمشید روڈ " ۴۱۱۳۰۲
- کھارادر " ۲۲۵۸۰۳
- گارڈن روڈ " ۷۲۲۴۳۳
- برنس روڈ " ۲۰۲۳۳۶
- ڈیفنس فیز V فون: ۵۲۶۵۳۹
- امیر خسرو روڈ " ۴۱۳۶۹۵
- راشد منہاس روڈ " ۴۱۱۳۰۲
- حسن اسکوائر " ۵۲۶۵۳۹

سنو وہائٹ
ڈرائی کلیننگ انڈسٹری

ہیڈ آفس: عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی فون ۵۱۱۷۱۱ ۵۲۶۵۲۹

زونل آفس: صدر بازار۔ راولپنڈی فون ۶۷۹۸۸ ۶۳۲۵۰

سچّائی کا زہر

شمس حامد

احمد نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اُس وقت سے اب تک اُس نے اپنے بڑوں سے یہی سنا تھا کہ جھوٹ بولنا بُری اور سچ بولنا اچھی بات ہے اور یہ کہ اللہ میاں مرنے کے بعد دوسری دُنیا میں اچھی بات پر انعام دیں گے اور بُری بات پر سزا۔

ابتدا میں تو اُس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ گناہ، ثواب نیز اچھا اور بُرا کیا ہوتا ہے؟ لیکن رفتہ رفتہ اُس کی سمجھ میں آگیا کہ بُری بات یا گناہ وہ ہوتا ہے جس کے کرنے پر بڑے لوگ ڈانٹتے ہیں اور بعض اوقات پٹائی بھی ہوتی ہے۔ البتّہ یہ بات کوشش کے باوجود کبھی اس کی سمجھ میں نہ آسکی کہ جو لوگ ہمیں سچ بولنے کی تلقین کرتے ہیں وہ خود دیدہ دلیری سے جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟ اس مسئلے پر اُس نے اپنے ماموں زاد بھائی عادل سے بھی کئی بار تبادلۂ خیال کیا۔ یہ سوچ کر کہ ایک تو عادل اس سے عمر میں بڑا تھا اور دوسرے یہ کہ گھر کے تمام بڑے اس سے بہت پیار کرتے اور ہر وقت اس کی اچھائیوں کے گُن گاتے رہتے تھے۔ عادل نے اُسے بتایا کہ بڑے لوگوں کے گناہ بڑے ہوتے ہیں اور چھوٹے بچّوں کے گناہ چھوٹے، لیکن اس سے احمد کے دل کو تسلی نہیں ہوئی۔ پھر بھی عادل میاں چونکہ اس سے بڑے اور زیادہ عقلمند تھے۔ اس لیے اُسے عادل کی بات کا یقین کرنا ہی پڑا۔

لیکن اتنی بات تو اُسے معلوم ہو ہی چکی تھی کہ سچ ایک اچھی چیز ہے اور آدمی کو ہر حالت میں سچائی کا دامن ہاتھ میں تھامے رہنا چاہیئے۔ لہٰذا اُس نے آئندہ جھُوٹ سے بچنے اور سچ بولنے کا پکّا ارادہ کر لیا۔ چاہے اس کے عوض اُسے پابندی سے اسکول ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

اگلے دن جب وہ وقت سے کہیں پہلے خود اُٹھ کر اسکول جانے کی تیاری کرنے لگا تو تمام گھر والوں کو بڑی حیرت ہوئی اور انھوں نے سوچا کہ کہاں تو احمر میاں اسکول نہ جانے کے سینکڑوں بہانے بناتے تھے اور کہاں آج خود بخود اُٹھ کر وقت پر اسکول جانے کے لیے تیاریوں میں مصروف ہیں۔

احمر نے گھر والوں کو حیرت زدہ دیکھا تو مُسکراتے ہوئے بتایا کہ دراصل آج سے انھوں نے سچائی کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور سچ وہی بول سکتا ہے جو اچھّے کام کرے۔ یہ سُن کے سب ہی بہت خوش ہوئے اور انھیں شاباش دی۔۔۔ گھر والوں کی اس حوصلہ افزائی سے متأثر ہو کر احمر نے سوچا۔

"واقعی سچ بولنے سے سبھی خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے سچ ہی بولنا چاہیئے۔ گویا اس تجربے سے سچ بولنے پر اُن کا یقین مزید پُختہ ہوگیا۔

اُس دن کلاس میں احمر کے قریب ترین دوست شاہد نے بلیک بورڈ پر مس کا کارٹون بنا دیا۔ مس کلاس میں آئیں تو کارٹون کو دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو گئیں۔ انھوں نے سب سے باری باری تصویر بنانے والے کا نام پوچھا مگر کسی نے نام نہیں بتایا۔ احمر کی باری آئی تو اس نے نہایت اطمینان اور قدرے فخر کے ساتھ شاہد کی طرف اشارہ کر دیا۔ احمر کے اشارے کے بعد شاہد کی ایسی پٹائی ہوئی کہ پوری کلاس خوف کے مارے سہم کر رہ گئی۔ اس واقعے کے بعد شاہد اور احمر کی پرانی اور گہری دوستی ختم ہو گئی۔

احمر نے گھر آکر سب کو یہ واقعہ سُنایا تو احمر کے ابّو نے کئی بزرگانِ دین کے واقعات سُنائے اور کہا کہ سچ بولنے والے کی راہ میں بے شمار مشکلات آتی ہیں لیکن جو اِن مشکلات سے ہنستے مُسکراتے گزر جائے اُسے اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی انعام سے ضرور نوازتے ہیں۔ یہ سُن کر احمر کے دِل میں شاہد سے دوستی ختم ہو جانے کا افسوس جاتا رہا اور احمر نے نئے عزم کے ساتھ گھر سے باہر جاتے ہوئے سوچا کہ وہ بھی تمام مشکلات سے ہنستے مُسکراتے گزریں گے اور خدا کی نعمتوں کے حق دار بن کر رہیں گے۔

اب گھر پر کسی کا بھی دوست آتا احمر اُسے سچ سچ بتا دیتا کہ آیا وہ گھر پر ہے یا نہیں۔ اُن کی اِس حرکت پر گھر والوں نے انھیں کئی بار ڈانٹا لیکن احمر سچ بولنے سے باز نہ آئے۔ اُن کی یہ عادت جب بہت ہی پُختہ ہو گئی تو گھر والے اُس کے موقع بے موقع سچ سے خوف محسوس کرنے لگے۔ کیونکہ گھر کے کئی افراد کو اپنے دوستوں کے سامنے جھُوٹ

بول کر شرمندگی اُٹھانی پڑی تھی۔

ایک مرتبہ احمر کی امی پڑوسن کے سامنے دادی اماں کی بُرائی کر رہی تھیں۔ یہ بات کسی طرح دادی اماں تک پہنچ گئی۔ احمر چونکہ جائے واردات پہ موجود تھے اس لیے انھیں بُلا کر اُن سے تصدیق یا تردید کرنے کو کہا گیا۔ احمر نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پورے واقعے کی تفصیلات بیان کر دیں۔ احمر کی اس حرکت پر امی بے حد ناراض ہوئیں اور دادی اماں بے حد خوش۔ دادی اماں نے احمر کو سچ بولنے پر بہت شاباش دی۔ لیکن احمر سے دادی کی یہ شفقت بہت دنوں تک برقرار نہ رہ سکی۔ ہُوا یہ کہ ایک دن دادی اماں احمر کے بڑے ماموں کی بُرائی کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ اُن کے اتنی جلدی امیر ہو جانے کی وجہ اُن کی محنت نہیں بلکہ بے ایمانی ہے۔

یہ بات اُڑتی اُڑتی احمر کی امی تک پہنچی اور گھر میں ایک بار پھر احمر کی دادی اور امی کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی۔ واقعے کی تفصیل کے لیے پھر احمر کو طلب کیا گیا۔ اور احمر نے ایک بار پھر سچائی کا ساتھ دیا۔ اس واقعے کے بعد تو گھر کا ہر فرد احمر سے خوف زدہ رہنے لگا۔ اور سب نے دِل ہی دِل میں طے کر لیا کہ آئندہ احمر کو گھر کے ایسے کسی متنازعہ معاملہ میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اب یہ ہونے لگا کہ گھر کے افراد کے درمیان کوئی بات ہو رہی ہوتی اور احمر وہاں پہنچ جاتا تو سب خاموش ہو جاتے اور احمر کو اس طرح دیکھتے جیسے وہ کسی غیر ملک کے نہایت خطرناک جاسوس ہوں لوگوں کے اس مستقل رویے سے اپنے آپ کو گھر میں اجنبی محسوس کرنے لگا۔ اُسے لگتا جیسے وہ اس گھر کا فرد نہیں ہے اور گھر کے تمام لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر ہے تو بہت تھوڑا۔ اس صورتِ حال میں احمر بہت اُداس رہنے لگا۔

ایک دن اسکول میں جب ٹیچر کلاس سے باہر گئی ہوئی تھیں تو احمر کے کلاس فیلو اقلیم نے دیوار پہ چڑھتے ہوئے لال بیگ کو مارنے کے لیے ڈسٹر پھینک کر مارا۔ نشانہ چوکا اور ڈسٹر لال بیگ کی بجائے شیشے کے فریم میں دیوار پہ آویزاں ایک خوبصورت سینری پر جا لگا۔ سینری ایک چھناکے ساتھ ٹوٹ کر زمین پہ بکھر گئی۔ ٹیچر واپس آئیں تو انھوں نے کانچ کے ٹکڑوں کو اِدھر اُدھر پڑے دیکھ کر فوراً احمر سے پوچھا "یہ تصویر کس نے توڑی ہے" یہ دیکھتے ہی کہ مِس نے احمر سے پوچھا ہے پوری کلاس سہم گئی کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ احمر اپنے سچ سے سارا بھانڈا پھوڑ دے گا' لیکن ... پوری کلاس پر اُس وقت حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جب اُنھوں نے احمر کو کہتے سُنا کہ تصویر ہَوا سے گِری ہے۔

کلاس کے اختتام پر اقلیم نے جان بچانے پر احمر کا شکریہ ادا کیا اور اُس نے نہ صرف یہ کہ خود احمر سے دوستی کر لی بلکہ اس کی دوستی اپنے تمام دوستوں سے بھی کرا دی۔

اس تجربے سے احمر کو یہ بات تو معلوم ہوگئی کہ سچ بولنے سے رشتے ٹوٹتے ہیں اور جھوٹ بولنے سے رشتے بنتے ہیں، لیکن احمر کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ سچ اہم ہے یا رشتے؟

***

باپ کی نصیحت

محمدّ شیر افضل جعفری

بیٹا! یوں دنیا میں جینا
غم کھانا اور غصّہ پینا
میٹھی نیند نہ سونا ہرگز
سو کر وقت نہ کھونا ہرگز

دُکھ پہنچے تو اُف بھی نہ کرنا
بے چینی کا دم ہی نہ بھرنا
رونا بھی تو چپکے چپکے
آہیں بھرنا تو چُھپ چُھپ کے

محنت کرنا بوجھ اُٹھانا
روکھی سوکھی روٹی کھانا
ہر اک سے احوال نہ کہنا
صابر شاکر ہو کر رہنا

کاسہ لیسی دل کی چھُری ہے
بھوک ہے اچھّی بھیک بُری ہے
شُکر کی نیّا کھیتے رہنا
دُکھ لے کر سُکھ دیتے رہنا

مولا کی درگاہ میں جُھکنا
سجدہ کرنے سے مت رُکنا
ہاں قرآن بھی پڑھتے رہنا
رہِ خدا پہ بڑھتے رہنا

پاکستان پہ جان چھڑکنا
مذہب میں دل بن کے دھڑکنا

جُنید شمیم

بونے گھوڑے

تصور کیجیے کہ آپ سرِ شام اپنے ایک امیر دوست کی شاندار کوٹھی کے وسیع اور آرام دہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے مزیدار کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے، اسکول یا کھیل کود کے معاملات پر ہنستے مسکراتے گفتگو میں مصروف ہیں۔ ایسے خوشگوار ماحول میں یکایک بڑے سے ڈرائنگ روم کے کسی کونے سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئے تو آپ کو کیسا لگے گا؟ شاید ڈرائنگ روم میں گھوڑے کے گھس آنے کے احساس سے آپ خوف زدہ ہو جائیں بلکہ عین ممکن ہے کہ اگر سامنے بیٹھا ہوا دوست ذرا بے تکلّف ہے تو آپ پہلی فرصت میں وہاں سے بھاگنے کی

کوشش کریں۔ یا پھر اگر آپ ذرا بہادر واقع ہوئے ہیں تو شاید حیرانی سے اپنے دوست کا منہ تکنے لگیں۔
لیکن گھبرائیے نہیں ایسی صورتِ حال ہمارے مُلک کے کسی گھر میں پیش آنے کی توقع نہیں ہے۔ البتہ اگر آپ امریکہ کے کسی شہر میں جا کر رہنے لگیں تو آپ کے ساتھ ایسی واردات پیش آسکتی ہے۔ جہاں آج کل گھوڑے پالنے کا شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے، لیکن عام گھوڑے پالنے کا شوق نہیں بلکہ بونے گھوڑے پالنے کا شوق، جنھیں آپ انگریزی میں MINIATURE HORSES کہہ سکتے ہیں۔
امریکہ میں تیزی کے ساتھ مقبولِ عام ہونے والے ان گھوڑوں کی نسل کی ابتدا کے بارے میں کئی طرح کی کہانیاں مشہور ہیں۔ جن میں سے ایک کے مطابق یہ بونے گھوڑے سب سے پہلے ارجنٹائن یا آسٹریلیا کی ایک ایسی وادی میں پھنسے ہوئے ملے تھے جہاں سے اُن کا نکلنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اُس وادی میں مُسلسل غذائی قلت کے باعث ان گھوڑوں کا قد چھوٹا ہو گیا۔
تاہم جہاں تک ان گھوڑوں کی نسل کے آغاز کا تعلق ہے تو اس بات کی شہادتیں موجود ہیں کہ ۱۸۶۰ء میں دو انگریز خواتین نے ان کی نسل کا آغاز کیا تھا۔ ابتدا میں یہ بونے گھوڑے یورپ کے شاہی خاندانوں کے دِل بہلانے اور کانوں سے کوئلہ نکالنے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔
امریکہ میں ان بونے گھوڑوں کی حقیقی مقبولیت کا آغاز ۱۹۷۰ء میں ہوا۔ جب اس قسم کے گھوڑوں کا کاروبار کرنے والے افراد کو دُنیا بھر سے ان گھوڑوں کی خریداری کے لیے ہزاروں درخواستیں موصول ہوئیں۔ بونے گھوڑوں کے اِن شائقین میں ملائیشیا کے شہزادے محمود اسکندر بھی شامل تھے۔
امریکہ کی سب سے بڑی مِنی ایچر ہارس ایسوسی ایشن کی ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت صرف ایک امریکی ریاست ٹیکساس میں سات ہزار کے قریب رجسٹرڈ بونے گھوڑے موجود ہیں جبکہ غیر رجسٹرڈ۔۔۔ گھوڑوں کی تعداد کا کچھ اندازہ نہیں ہے۔
آپ شاید سوچ رہے ہوں کہ ان گھوڑوں کے مقبولِ عام ہونے کی وجہ شاید ان کا کم قیمت ہونا ہو، تو جناب ایسی بات نہیں ہے۔ یہ گھوڑے کتنے مہنگے ہیں اس کا اندازہ اس طرح کیجئے کہ بتیس سے چونتیس انچ بلند قامت گھوڑوں کی قیمت تقریباً سترہ ہزار روپے ہے جبکہ تیس انچ یا اس سے کم قامت کے گھوڑوں کی قیمت ایک لاکھ دس ہزار روپے کے لگ بھگ ہے۔
ان گھوڑوں کو لوگ سَدھا کر۔۔۔ گھروں میں اپنے ملنے والے لوگوں پر اپنی امارت کا رعب ڈالنے کے لیے رکھتے ہیں۔ اس تصویر میں اسی نسل کا چوبیس انچ بلند قامت رکھنے والا ایک بونا گھوڑا اپنے سَدھانے والے کے ہاتھوں پر کھڑا ہوا ہے۔

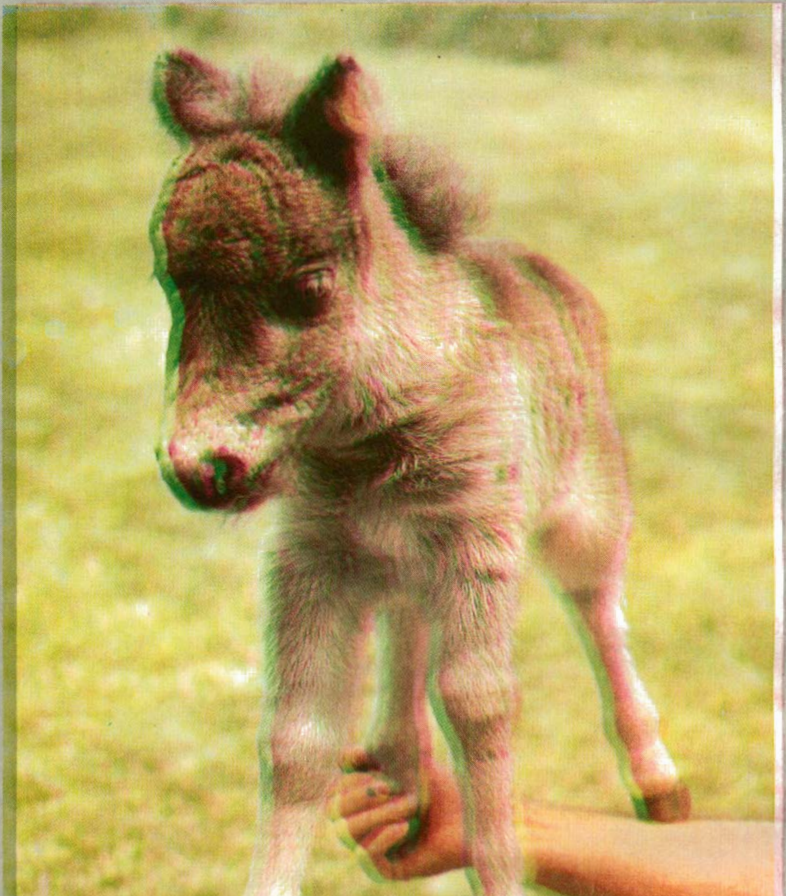

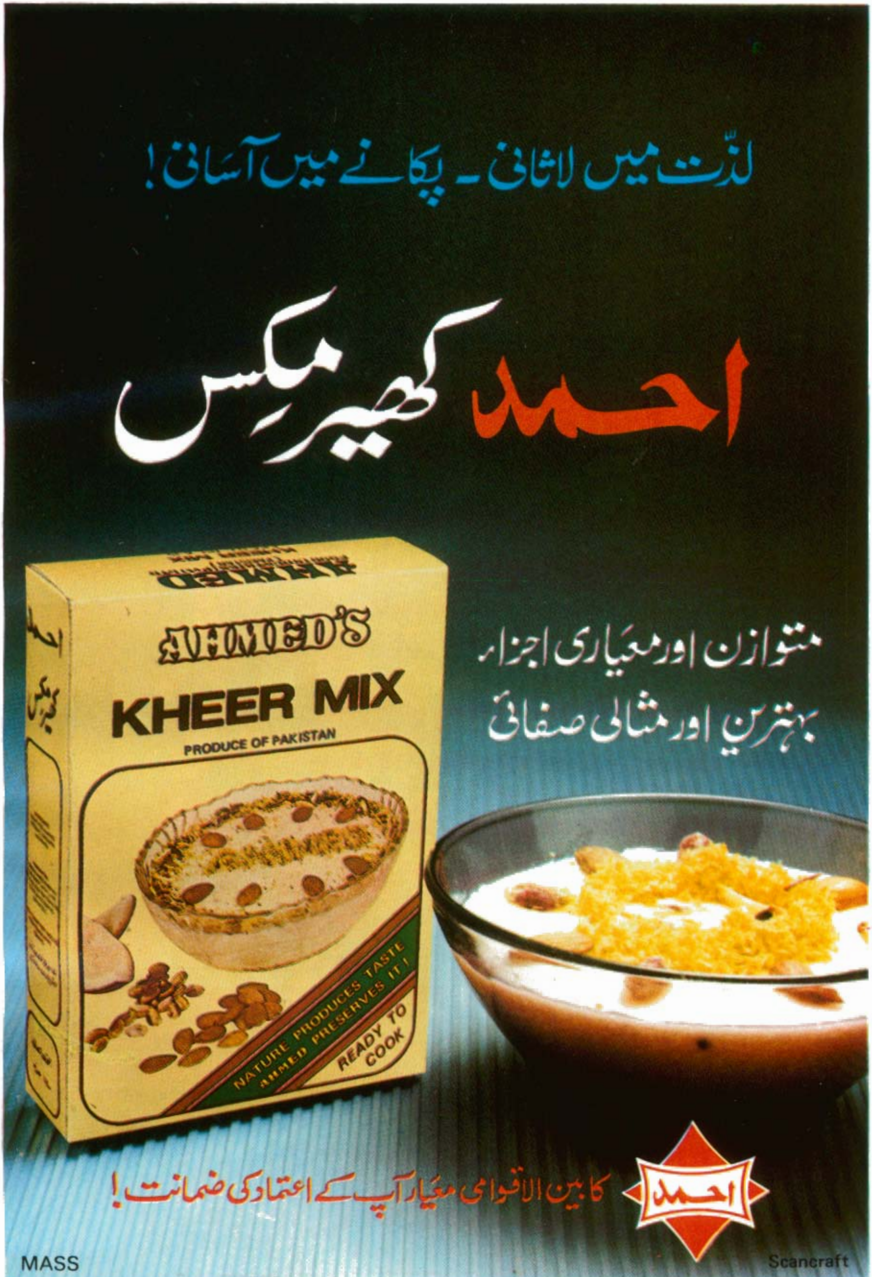
لذّت میں لاثانی ۔ پکانے میں آسانی!
احمد کھیرِ مکس
AHMED'S
KHEER MIX
PRODUCE OF PAKISTAN
NATURE PRODUCES TASTE
AHMED PRESERVES IT!
READY TO COOK
متوازن اور معیاری اجزاء
بہترین اور مثالی صفائی
احمد
کا بین الاقوامی معیار آپ کے اعتماد کی ضمانت!
MASS
Scancraft

سیّد خورشید عالم

عزم کی داستاں

حدِّنظر تک پھیلی ہوئی برف کی زمین پر پانچ افراد انجانی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ ان کے ساتھ برفانی خچر اور دیگر سازوسامان بھی تھا۔ پانچوں کے حوصلے بلند تھے۔ جس کی وجہ سے دُور دُور تک پھیلی ہوئی برف اور رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کو منجمد کر دینے والی سردی بھی ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

ایک جگہ رُک کر کیپٹن اسکاٹ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن میں نے اسکول جانے سے محض اس لیے انکار کر دیا تھا کہ اس دن سخت سردی پڑ رہی تھی مگر میری ماں نے میری ہمت بندھائی اور مجھے اسکول جانے پر راضی کر ہی لیا۔ ہم لوگ لندن کی برفباری سے بعض اوقات کتنا پریشان ہو جاتے تھے۔ مگر آج ہم لوگ برف کے سمندر میں کھڑے ہیں۔ بچپن میں ماں کے کہے ہوئے الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔ انھوں نے کہا تھا کہ بیٹا اپنا عزم پختہ رکھو۔ موسم تم پر کبھی اثر انداز نہیں ہوگا۔" اسکاٹ کی اس بات پر ٹیم کے ارکان کے چہروں پر ایک چمک آگئی اور وہ ایک نئے عزم سے اپنی منزل کی

جانب روانہ ہو گئے۔

ان کی منزل انٹارکیٹکا تھی۔ یہ ۱۹۱۱ء کا زمانہ تھا۔ اس وقت تک قُطب جنوبی پر واقع برِّاعظم انٹارکٹیکا تک انسانی قدم نہ پہنچے تھے۔ اُنہی دنوں ناروے اور برطانیہ کی دو مُہم جُو ٹیموں نے وہاں جانے کی ٹھانی تاکہ ورلڈ ریکارڈ قائم ہو اور اپنے ملک کا نام بھی روشن ہو۔ ناروے کی ٹیم کیپٹن رولڈ ایمنڈسن کی سربراہی میں روانہ ہوئی۔ برطانوی ٹیم کے سربراہ کیپٹن رابرٹ فالکن اسکاٹ تھے اُن کے ساتھ کیپٹن اوٹس، ڈاکٹر ولسن، پیٹی افسر ایونز اور لیفٹیننٹ بوورز بھی اس مُہم میں شامل تھے۔

برطانیہ سے روانہ ہونے والی اس ٹیم نے بیئرڈمور گلیشئر رُوٹ پر اپنا سفر ایک انجانے جذبے کے ساتھ شروع کر دیا تھا۔ دن گزرتے گئے۔ مگر ٹیم کا سفر جاری رہا۔ کبھی کبھی وہ آرام کے لیے پڑاؤ ڈالتے تو اپنے گرد صرف برف اور خاموشی کو محسوس کر پاتے۔ اپنے گھر والوں اور ہم وطنوں سے سینکڑوں میل کی دوری کبھی کبھی اُن سب کے لیے بوجھ بن جاتی مگر پھر یہ تصور کہ وہ جو کارنامہ انجام دینے جا رہے ہیں اس سے شہرت خود بخود چل کر ان تک آ پہنچے گی، ان کا سارا بوجھ اُتر جاتا۔ پیٹی افسر ایونز اور لیفٹیننٹ بوورز کی دلچسپ نوک جھونک، کیپٹن اوٹس اور ڈاکٹر ولسن کے بھرپور قہقہے اور کیپٹن اسکاٹ کی بھرپور مسکراہٹ ان کا سہارا تھی۔ اسی دوران ۱۹۱۲ء کا نیا سال شروع ہو گیا۔

بالآخر، ۱۷ جنوری وہ تاریخی دن تھا جب وہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گئے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کیپٹن اسکاٹ جب اپنی ٹیم کے ارکان کے ساتھ یہاں پہنچا تو اُسے برف میں ذرا فاصلے پر کچھ گڑا ہوا نظر آیا شدید دُھند کی بنا پر وہ چیز واضح نہیں تھی۔ انھوں نے اس کی طرف اپنے قدم بڑھائے۔۔۔ ایک قدم۔۔۔ دو قدم۔۔۔

اچانک وہ چیز واضح ہو گئی۔

"یہ تو۔۔۔ یہ تو ناروے کا پرچم ہے۔ تو کیا ناروے کی ٹیم ہم سے۔۔۔"

کیپٹن اسکاٹ مزید کچھ کہے بغیر منہ چھپا کر برف پر گر پڑا۔ ٹیم کے بقیہ ارکان بھی جیسے سکتے میں آ گئے۔ ڈاکٹر وِلسن نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر پرچم کے ساتھ لگی تختی پڑھنے لگا۔ پھر وہ واپس مُڑا اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔

"ناروے کی ٹیم ۱۶ دسمبر ہی کو یہاں پہنچ گئی تھی۔"

"گویا ہم سے ایک ماہ قبل۔۔۔" ایونز بھی مزید کچھ کہے بغیر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے لیے سب ہی خاموش ہو گئے۔ جس طرح بہت شوروغل کانوں کو بُرا لگتا ہے اسی طرح کبھی کبھی خاموشی بھی انسان کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ کیپٹن اسکاٹ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ساتھیوں میں ٹوٹ پھوٹ ہو۔ وہ کھڑا ہوا اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔

"دوستو! ہمیں ہمت نہیں ہارنا چاہئے۔ کیا ہمارے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم بھی ان لوگوں میں شمار کیے جائیں

گے جو قطب جنوبی پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے"۔

واپسی کا سفر شروع ہوچکا تھا وہ لوگ زیادہ تر خاموش ہی رہتے۔ پیٹی افسر ایونز کی شوخی ختم ہوچکی تھی۔ وہ زیادہ تر خاموش ہی رہتا۔ ۱۷ فروری کو ایک جگہ انھوں نے پڑاؤ ڈالا۔ ایونز ایک طرف آنکھیں مُوند کر لیٹ گیا۔ چند گھنٹے بعد جب چلنے کی تیّاری ہونے لگی تو سب نے ایونز کو آواز دی مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بوورز نے اس کا کندھا تھپتھپایا مگر ایونز سوتا ہی رہا۔ ڈاکٹر ولسن جلدی سے آگے بڑھا اور اس نے ایونز کی آنکھوں کی پتلیوں کا جائزہ لیا اور کھڑا ہوگیا۔

"کیا ہوا؟" کیپٹن اوٹس نے پوچھا

"ایونز ہم لوگوں سے بہت دُور چلا گیا ہے۔ اس نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا" ڈاکٹر ولسن نے کہا۔

ایک بار پھر اپنی ہمّت کو آزماتے ہوئے انھوں نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ ساتھی کی موت اور مہم کی ادھوری کامیابی نے ان کے اعصاب پر بُرا اثر ڈالا تھا۔ سب سے بُری حالت کیپٹن اوٹس کی تھی۔ سخت سردی اور برف کی رگڑ سے اس کی کھال پھٹنے لگی تھی جس سے خون چھلک پڑتا تھا۔ چلتے چلتے ایک دن اوٹس بھی اچانک گرا۔ اسکاٹ نے جلدی سے اُسے سہارا دینا چاہا۔ مگر اُسے اندازہ ہوگیا کہ اوٹس کو اب کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔

مایوسی اور صدمے نے باقی تینوں کے حوصلے میں دراڑ پیدا کردی۔ مگر کسی نہ کسی طرح وہ چلتے ہی رہے۔ اپنے حساب سے جب وہ مقامی آبادی سے گیارہ میل دور تھے تو برفباری کے ایک شدید طوفان نے ان کو گھیر لیا۔ طوفان اور اس کے شور سے ہراساں ہوکر ان کے جانور بھاگ نکلے۔ ان کا ٹینٹ اُڑ گیا۔ سخت سردی سے بچنے کے لیے اسکاٹ، ولسن اور بوورز ایک دوسرے سے لگ کر بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑ لیا... مگر سردی نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا۔ ان کی رگوں میں دوڑتا ہوا گرم خون پہلے ٹھنڈا ہونا شروع ہُوا اور پھر جمنے لگا۔

انسانی آبادی سے گیارہ میل دور برف کا طوفان ان تینوں بدقسمت افراد کی بے آسرا زندگیوں سے کھیل رہا تھا۔ بالآخر طوفان جیت گیا۔ اسکاٹ ولسن اور بورز ہار گئے۔ موت کے بے رحم ہاتھوں نے آخر کار ان سے زندگی کا نذرانہ بھی وصول کر لیا۔

برّاعظم انٹارکٹیکا پر آج کئی ممالک کے سائنسدان مختلف تجربات میں لگے رہتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ناروے اور برطانیہ کی مُہم جُو جماعتیں اگر اس طرف کا رُخ نہ کرتیں تو شاید آج انٹارکٹیکا پر انسانی قدم نہ پہنچے ہوتے۔ قطب جنوبی پر واقع برّاعظم انٹارکٹیکا کا پچپن لاکھ مربع میل رقبے پر واقع برفانی خطہ آج بھی اس برطانوی ٹیم کے عزم و ہمّت کا گواہ ہے۔

ٹرانزسٹر، ٹارچ اور کھلونوں کیلئے بہترین

الہ دین بیٹری سیل

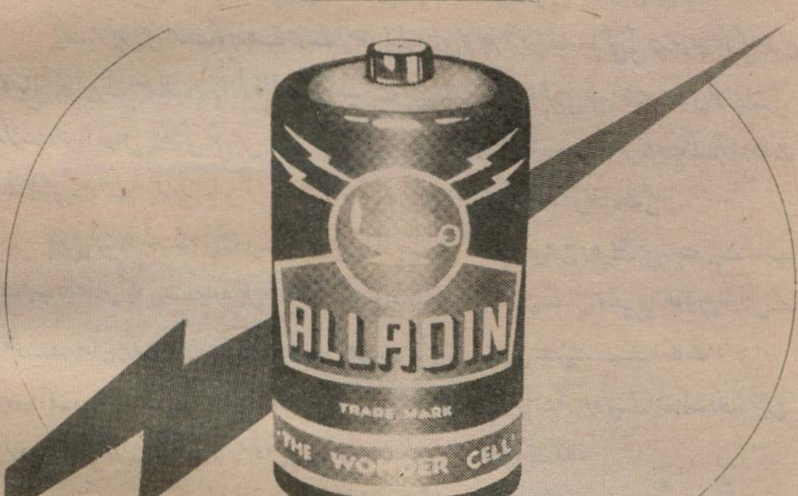

زیادہ قوّت — زیادہ دیرپا
مکمل طور پر قابلِ اعتماد - لیک پرُوف

986.MIL 5
PARAGON

ستیہ جیت رے
ترجمہ : آصف فرخی

تلاش

قسط نمبر ۲

اُس کی آنکھ کھلی تو اُس پر انکشاف ہُوا کہ اُسے کچھ یاد نہیں۔ وہ اُس وقت سڑک کے کنارے ایک جنگل میں پڑا تھا اور اُس کے سر پر چوٹ آئی تھی۔ وہ اُٹھا اور گھسٹتا ہوا آگے بڑھا تو اُسے ایک ٹوٹی پھوٹی گاڑی نظر آئی، جس کی اگلی اور عقبی سیٹ پر دو آدمی ساکت پڑے ہوئے تھے۔ وہاں سے وہ آگے چلا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اُسے کچھ یاد کیوں نہیں آرہا ہے؟ راستے میں پیڑوں پر بنے ہوئے سیاہ اور سفید حلقوں کو سمجھنے کی کوشش سے اُس کا سر شدت سے درد کرنے لگا اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ ہوش میں آنے پر اُس نے دیکھا کہ ایک آدمی اُسے دُودھ پیش کر رہا ہے۔ اُس آدمی نے اُس کا نام پوچھا تو وہ نہ بتا سکا۔ ایک اور آدمی کے مشورے پر اُسے پولیس اسٹیشن لے جایا جانے لگا۔ راستے بھر وہ لوگ اُس سے مختلف سوال کرتے رہے، مگر وہ ایک بات کا بھی جواب نہ دے سکا۔ وہ لوگ اُسے ایک ڈاکٹر کے پاس مرہم پٹی کے لیے لے گئے۔ جہاں سے وہ غسل خانے کے راستے فرار ہوگیا۔ بھاگتے بھاگتے وہ ریل کی پٹری پر جا نکلا اور وہاں سے ایک اسٹیشن پہنچ گیا۔ ریل گاڑی آئی تو وہ اس میں سوار ہونے لگا۔ مگر بھیڑ ہونے کی وجہ سے سوار نہ ہو سکا اور ریل چل پڑی۔ وہ ریل کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا اور ایک کھُلے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھا دیے، اُسی وقت اندر سے ایک بازو نکلا اور کسی نے اُسے اندر گھسیٹ لیا۔ (اب آپ آگے پڑھیے)

وہ بنچ پر بیٹھا ہوا ہانپ رہا تھا۔ اس کا سانس اتنی مشکل سے آرہا تھا کہ وہ اگر کوشش بھی کرتا تو جواب نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے اسے اندر گھسیٹ لیا تھا۔ وہ آدمی ناراض نہیں معلوم ہو رہا تھا، حالانکہ اس نے بات غصّے سے کی تھی۔ شاید وہ پہلے پہل ناراض ہوا ہوگا، لیکن جب اس لڑکے کی طرف غور سے دیکھ لیا تو اس کا غصّہ ٹھنڈا پڑ گیا ہوگا۔ اب تو اس کی آنکھوں میں مُسکراتی ہوئی چمک تھی۔ اس کے ہونٹ اور چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی جو سفید دانتوں کی وجہ سے اور بھی اُجلی نظر آنے لگی۔ اس کا انداز ایک ایسے آدمی کا تھا جس کے پاس بہت تدابیر

اور اتنی ہوشیاری ہے جو زندگی بھر کے لیے کافی ہے۔

وہاں دوسرے مسافر بھی تھے مگر اس بنچ پر وہ دونوں ہی تھے۔ تین بوڑھے آدمی ان کے بالکل سامنے ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اونگھ رہا تھا، ایک نے چٹکی بھر ناس لے لی تھی اور اپنی ناک مل رہا تھا اور تیسرا اخبار پڑھ رہا تھا۔ ریل جتنا جھولتی جاتی، وہ اُسی قدر مضبوطی سے اخبار کو تھام لیتا اور اپنی آنکھوں کے قریب کر لیتا۔

"ہاں میاں اب بتاؤ۔ کیا چکر ہے؟"

وہ آدمی سنجیدگی سے پوچھنے لگا مگر مسکراتا رہا۔ وہ لڑکے کو اتنے غور سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کے ذہن کے سارے خیالات پڑھ رہا ہو۔

وہ خاموش رہا۔ وہ اصل میں پولیس سے بھاگ رہا تھا۔ وہ یہ بات تسلیم کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکا تھا۔

"پولیس؟" اس آدمی نے، اس کے خیالات پڑھتے ہوئے کہا۔ وہ چونک گیا۔

"چوری کے چاولوں کا چکر ہے؟" اس آدمی نے پھر پوچھا۔ یہ تیسرا سوال تھا جو اس نے لڑکے سے پوچھا۔ لڑکے نے جواب نہیں دیا۔

"ارے نہیں بھئی۔ تم تو صاحب لوگ ہو۔ تم میں اتنا دَم خم کہاں کہ چوری کے چاولوں کی بوری پیٹھ پر لے کر بھاگو۔"

لڑکے نے پھر بھی کچھ نہیں کہا۔ وہ آدمی اس کو اسی طرح چبھتی ہوئی نگاہوں سے گھورتا رہا۔

"جب تک دو چار لاتیں پیٹ میں نہیں ٹِکاؤں گا، بول کے نہیں دو گے؟" اس نے کہا۔ اس نے اپنی آواز دھیمی کر لی۔ اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا "مجھے بتا ہی دو۔ میں تمھارا راز افشا نہیں کروں گا۔ میں خود بھی ایک دفعہ بھاگا تھا۔ تمھاری طرح بھگوڑا تھا۔"

اسے معلوم تھا کہ وہ آدمی اب اس کا نام پوچھے گا۔ اس نے آدمی کا نام پہلے پوچھ لیا، اور یوں اس سے ایک قدم آگے نکل گیا۔

"میرا نام بعد میں بھی معلوم ہو سکتا ہے۔" اس آدمی نے کہا۔ "تمھارا نام کیا ہے؟"

اب وہ بار بار دُہرا کر بے زار آ چکا تھا کہ اسے نہیں معلوم۔ کھڑگ پور کے دواخانے کے سامنے، سڑک پار، ایک دکان تھی جس پر بورڈ لگا ہوا تھا۔ دکان کا نام، مہامایا اسٹورز، اس کی سفید زمین پر سیاہ حروف سے لکھا ہوا تھا۔ اس کے نیچے مالک کا نام لکھا ہوا تھا۔ مالک ارمان احمد جمال۔

"ارمان" لڑکے نے اعلان کیا۔

"یہ تمھارا اصلی نام ہے، یا پیار کا نام ہے؟"

"اصلی نام"۔

"اور خاندانی نام؟"

خاندانی نام کیا ہوتا ہے۔ یاد کرنے کی کوشش میں اس نے اپنے ذہن پر بہت زور ڈالا۔

"تمھیں نہیں معلوم خاندانی نام کیا ہوتا ہے؟ تم کس قسم کے اسکول میں پڑھتے ہو؟ خاندان کا نام۔۔۔"

اس کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آیا

"آخری نام" اس آدمی نے اور وضاحت کرتے ہوئے کہا: "جو نام سب سے آخر میں آتا ہے، جیسے ربی کے بعد ٹیگور۔۔۔ تم واقعی بدھو ہو یا بن رہے ہو؟"

لڑکے کی سمجھ میں آگیا۔ اس نے بتایا جمال آخری نام ہے جمال احمد درمیان میں ہے۔ ارمان احمد جمال۔

آدمی اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر ذرا دیر بعد اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور کہا، "صرف کوئی فنکار ہی ایک لمحے میں اپنے لیے نام بنا سکتا ہے۔ آؤ ہاتھ ملائیں۔ آئیے، ارمان احمد جمال۔ میرا نام ہے ہارون۔ پہلا نام ہارون آخری نام رشید اور درمیان میں 'ال'۔ ہارون الرشید۔ بغداد کا خلیفہ

لڑکے نے ہاتھ ہلا لیا، مگر اُسے بُرا لگا کہ اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

"تمھارے جیسے صاحب لوگوں میں" اس آدمی نے اس کی طرف نگاہیں جما کر کہا، "ارمان نام کچھ جھوٹ موٹ کا معلوم ہوتا ہے۔ اچھا، اب تمھارا ہاتھ دیکھیں"۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ سکتا، اس نے لڑکے کا ہاتھ تھام لیا، پلٹا اور ہتھیلی اوپر کر دی۔

"ہوں" اس نے کہا "تم کبھی بس کا ڈنڈا پکڑ کر نہیں لٹکے۔۔۔ تمھاری قمیض کم از کم پینتالیس روپے کی ہے۔۔۔ پتلون بھی ٹیری کوٹ کی۔۔۔ تعویز نہیں ہے۔۔۔ ہوں۔۔۔ دکان کے کٹے ہوئے بال۔۔۔ اور وہ بھی تازہ۔۔۔ تمھارا محلہ پارک اسٹریٹ ہوگا۔۔۔"

وہ آدمی اب پھر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ یہ توقع کر رہا تھا کہ یہ اب کچھ کہے۔ اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اعتراف کرے۔

"مجھے کچھ یاد نہیں"۔

اس آدمی کی پُتلیاں سُکڑیں اور ان میں ایک عجیب سی چمک آ گئی۔

"دیکھو میاں چالاک، تم بغداد کے خلیفہ کے ساتھ کوئی 'چکر' چلانے کی کوشش نہ کرنا۔ بچ کے نہیں جاؤ گے۔ تم کوئی دودھ پیتے بچّے نہیں ہو۔ تم نے انگریزی اسکول میں پڑھا ہے۔ بالکل پڑھا ہے جناب!" وہ کہتا رہا "تم غلط

لوگوں میں پھنس گئے' یہ ہوا ہے، اور تمھیں اپنے ابا کے پاس سے رُوپوش ہونا پڑا۔ تم سمجھتے ہو کہ مجھے معلوم نہیں تمھاری کُہنی پہ چوٹ کیسے لگی؟ تمھارے سر پہ گُومڑ کیسے بن گیا؟ تم لنگڑا کیوں رہے ہو؟ پوری بات بتاؤ۔ سب کُچھ اُگل دو ورنہ تمھیں گدّی سے پکڑ کر جک پور کے اسٹیشن پر دھکیل دوں گا۔ اب کہو۔"

وہ بتانے لگا۔ اس نے سب کُچھ بتا دیا۔ اسے احساس ہوا کہ جیسے اس آدمی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اسے سب کُچھ بتا دینا ٹھیک ہے۔ یہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہ پولیس کے حوالے نہیں کرے گا۔ اس کو جو کچھ یاد تھا سب بتا دیا۔ جس وقت سے اس کی آنکھ کُھلی تھی اور اس نے ستاروں کو دیکھا تھا۔ اس سے لے کر دواخانے سے اپنے فرار تک۔

بہت دیر تک اس آدمی نے کُچھ نہیں کہا۔ وہ خاموش بیٹھا کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھتا رہا۔

"تمھیں کلکتہ میں رہنے کے لیے جگہ چاہیئے ہوگی" آخر وہ بول پڑا۔ "میری جگہ تمھارے لیے ٹھیک نہیں رہے گی۔"

"تم کلکتہ میں رہتے ہو؟"

"میں کلکتہ میں رہا ہوں اور اب دوبارہ کچھ عرصے کے لیے وہاں رہوں گا۔ انتالی میں میرا ٹھکانہ ہے۔ مگر میں گھومتا پھرتا رہتا ہوں، اپنا کرتبوں کا تھیلا لے کر ایک میلے سے دوسرے میلے اور ایک تہوار سے دوسرے تہوار تک... رتھ یاترا چارک، شیوراتری۔ کبھی کبھار مجھے شادی بیاہ پر تماشا دکھانے کے لیے بلایا جاتا ہے۔ ابھی میں کومبا ٹور سے آ رہا ہوں۔ تم نے کومبا ٹور کا نام سُنا ہے؟ اڈلی، چاول کی روٹی اور ڈوسا تین ہفتے تک کھانا پڑا! وہاں سرکس آیا ہے، 'انمول ہیرا' سرکس کا نام ہے۔ میں اس کے مالک سے ملا تھا۔ اور وہاں تار پر چلنے والا بازی گر وینکٹیش میرا یار ہے۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ جوں ہی وہاں کام ملا، وہ مجھے بتائے گا۔ فی الحال تو کلکتہ ہے۔ شہید مینار کے سامنے ذرا سی گھاس۔"

"گھاس؟ تم گھاس پر رہتے ہو؟" لڑکے نے پوچھا۔ اسے یاد آیا کہ وہ خود بھی گھاس پر لیٹا تھا۔

"کرتب دکھاتا ہوں۔ رہتا نہیں ہوں۔" اس آدمی نے اس کی تصحیح کی۔

" بنچ کے نیچے یہ صندوق دیکھ رہے ہو؟ یہ میرے کرتب ہیں۔ بازی گری۔ یہ کام کرتا ہوں میں۔ میرے استاد نے مجھے سب کچھ دیا۔ مجھے خود کچھ بھی نہیں خریدنا پڑا۔" اس نے اپنے استاد کے نام پر تعظیم کے ساتھ تین دفعہ ماتھے کو انگلیوں کی پوروں سے چھُوا۔ "وہ تہتّر ۷۳ برس کی عُمر تک کرتب دکھاتا رہا۔ اس کی داڑھی پوری طرح سفید بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے داڑھی کے بیچ میں سے دو حصّے کیے ہوئے تھے۔ ایک دن وہ گھٹنوں کے بل جُھک گیا، جیسے نماز پڑھ رہا ہو، گھومتا ہوا لٹو ہوا میں اچھالا اور اس کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ پھر اچانک وہ دُہرا ہو گیا اور اپنے سینے کو بھینچنے لگا۔ لٹو اُچھل کر اس کی کمر پہ آ گیا۔ اس کے کندھوں پر اور اس کی ریڑھ کی ہڈّی پر گھومنے لگا۔ تماشا دیکھنے والوں نے بہت تالیاں بجائیں۔ وہ سمجھے کہ یہ کوئی نیا کرتب ہے۔ لیکن استاد پھر کبھی سیدھے نہیں ہو سکے۔"

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگیا' اور کھڑکی کے باہر تکتا رہا۔ شاید وہ اپنے استاد کو یاد کر رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا" میں ابراہیم بھیا سے تمھارے بارے میں بات کروں گا کہ شاید وہ تمھارے لیے کچھ بندوبست کر سکیں۔ مگر میں تمھیں ہوشیار کر دوں۔ پولیس تمھاری تلاش میں ہوگی"۔

لڑکے کا مُنہ لٹک گیا۔

" ٹھیک بات تو یہی ہوگی" وہ آدمی کہنے لگا" کہ تمھیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے، سمجھے"

"ارے، نہیں، نہیں" وہ گڑگڑانے لگا۔

"ڈرو مت" وہ آدمی ہنس دیا" فن کار لوگ اپنے قانون خود بناتے ہیں۔ اگر میں بھی دوسرے لوگوں کے رواج کی پرواہ کرتا تو اس وقت تمھارے ساتھ سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں بیٹھا باتیں نہ کر رہا ہوتا۔ نہیں جناب! ہارون الرشید اپنی گاڑی میں دفتر سے گھر لوٹ رہا ہوتا اس وقت!

لڑکے کے دماغ میں ایک نام بار بار گھوم رہا تھا۔

"ابراہیم بھیا کون ہیں"؟ اس نے پوچھا۔

"ابراہیم خان ان کا چائے خانہ ہے بینٹنک اسٹریٹ پر"

"اور بندوبست کیا ہوتا ہے"؟

"اس کا مطلب ہوتا ہے انتظام کرنا۔ اب مجھے پتا چلا کہ انگریزی اسکولوں میں بہت سی چیزیں نہیں پڑھائی جاتیں"

انسپکٹر خالد نے دوبارہ اپنا رومال نکالا، ماتھے پر سے پسینہ پونچھا اور چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے کہا

"گھبرائیے نہیں، جناب۔ ہم اپنی تفتیش جاری رکھے ہوئے ہیں اور ہم۔۔۔"

"بکواس" دانیال صاحب کی آواز خفگی کے ساتھ بُلند ہوگئی" آپ تو مجھے یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ میرے بچّے کی حالت کیا ہے"؟

"بات یہ ہے۔۔۔"

"بات مجھے کرنے دیجیے، سمجھے آپ! میں آپ ہی کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ چار آدمی۔ چار آدمیوں کے ٹولے نے ببلو کو اغوا کر لیا۔ وہ گھاٹ شیلا سے گزر چکے تھے اور سنگبھوم کی طرف جا رہے تھے، نیلے رنگ کی ایمبیسیڈر گاڑی میں جسے انھوں نے چوری کیا تھا۔۔۔"

"جی ہاں جناب"

"بس زیادہ جناب جناب نہ کیجیے۔ مجھے اپنی بات مکمل کر لینے دیجیے۔ راستے میں انھیں ایک ٹرک نے ٹکر ماری۔ آدھی رات کے قریب۔ آپ نے ٹرک کا سُراغ لگا لیا ہے"

"جی..." انسپکٹر نے عین وقت پر اپنے آپ کو روکا' ورنہ زبان سے، 'جی ہاں جناب'، نکلنے والا تھا۔

"دو آدمی اسی وقت مر گئے۔ ان چار میں سے دو۔"

"بنکو گھوش اور نرائن کرماکار"۔

"مگر ان کا سرغنہ بھاگ نکلا۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ"۔

"اس کا نام کیا ہے؟"

"اس کا اصلی نام کسی کو معلوم نہیں۔"

"بہت خوب! اسے کس نام سے پکارا جاتا ہے؟"

"سیمسن"۔

"اور دوسرا؟"

"رگھوناتھ۔"

"یہ بھی مفرور ہے؟"

"غالباً"۔

"تم کہتے ہو کہ سیمسن اور رگھوناتھ ابھی تک زندہ ہیں، لیکن وہ اس حادثے کے بعد بچ نکلے اور تم کہتے ہو کہ ببلو اچھل کر گاڑی کے باہر گر پڑا..."

"جی ہاں، دس بارہ سال کے لڑکے کے جوتے کا ٹوٹا ہوا تلا، گاڑی سے کوئی دس فیٹ دُور پڑا ہوا ملا۔ یہ ڈھلوان کے نچلے حصّے میں پڑا ہوا تھا۔ سڑک سے دُور۔ سڑک کا یہ حصّہ ڈھلوان کی صورت میں جنگل کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس کے پاس خون کے دھبے تھے۔ اور ایک سالم کیڈبری چاکلیٹ بھی پڑی ہوئی تھی۔"

"لیکن لڑکا نہیں ملا؟"

"جی نہیں، جناب۔"

"تو آپ نے جنگل میں تلاش کیا یا جنگل کے شیروں سے ڈر کر بھاگ گئے؟"

انسپکٹر نے کوشش کی کہ ایک ہلکا سا، مؤدبانہ قہقہہ لگائیں، لیکن صرف کھانس کر رہ گئے۔

"اس جنگل میں شیر نہیں ہیں، جناب" اس نے کہا "ہم نے وہاں تلاش کی تھی اور آس پاس کے گاؤں میں بھی ڈھونڈا تھا۔"

"تو پھر تم اطلاع کیلئے کرآئے ہو؟ ساری بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ سیمسن اور رگھو ناتھ ببلو کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

"لیکن ابھی اُمید کی ایک کرن روشن ہے، جناب، اور اسی لیے ...."

"یہ لفاظی بند کرو۔ مجھے حقائق چاہیئے ہیں۔"

انسپکٹر نے دوبارہ ماتھے پر سے پسینہ پونچھا، اور کہا علی احمد جاوید نام کا ایک آدمی، جو پٹ سن کے ادارے میں کام کرتا ہے، گھاٹ شیلا سے کلکتہ گاڑی میں واپس آرہا تھا، اس حادثے کے دن۔ گھاٹ شیلا میں اس کا گھر ہے اس کی بیوی اور بچہ ...."

"کام کی بات کرو۔"

"جی جناب۔ معافی چاہتا ہوں جناب۔ کھڑگ پور سے تیس میل دور اُس نے ٹرک میں ایک لڑکا دیکھا۔ اس کے بازوؤں اور ٹانگوں پر چوٹوں کے نشان تھے۔ ٹرک والے نے بتایا کہ اُسے یہ لڑکا بڑی سڑک کے کنارے بے ہوش پڑا ہوا ملا تھا، حادثے کی جگہ سے کوئی میل بھر شمال میں۔ مسٹر جاوید اس لڑکے کو کھڑگ پور میں دواخانے لے گئے۔ جہاں اس کی مرہم پٹی کی گئی۔ پھر وہ لڑکا غسل خانہ کے پچھلے دروازے سے بھاگ نکلا۔ جاوید نے اس واقعے کی اطلاع پولیس میں درج کرائی ہے۔"

انسپکٹر ایک لمحے کے لیے رُکا۔ دانیال صاحب اس کی بات سُن رہے تھے۔ اور ان کی نگاہیں لمبی چوڑی میز پر رکھے ہوئے شیشے پر جمی ہوئی تھیں۔ انھوں نے کہا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ اس لڑکے نے اپنا نام کیا بتایا۔"

"یہی تو مشکل ہے جناب۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکے کی یادداشت گُم ہو گئی ہے۔"

"یادداشت گم ہو گئی ہے!" ایک لمحے میں دانیال صاحب کی ناک، آنکھوں اور تیوری پر بے یقینی کے عالم میں بَل پڑ گئے۔

"وہ اپنا نام نہیں بتا سکا، نہ آپ کا نام نہ پتہ، نہ کوئی اور بات۔"

"بکواس!"

"لیکن اس کا حُلیہ بہت ملتا جلتا ہے۔"

"کیسے؟ گورا رنگ؟ درمیانہ قد؟ گھونگھر والے بال! بس یہی ہے، ہے ناں؟"

"نیلا نیکر اور سفید قمیض بھی اس میں شامل ہیں۔"

"اور اس کی پیٹھ کا پیدائشی نشان؟ اور اس کی ٹھوڑی کا تل؟"

"جی نہیں جناب"۔
دانیال صاحب نے ایک نظر اپنی گھڑی پر ڈالی اور کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔
"آج مجھے عدالت ضرور جانا ہے" انھوں نے کہا "میں تین دن سے پریشانی کے مارے نہیں جاسکا۔ میں نے اپنے بیٹوں کو تار دے دیے ہیں۔ تیسرا بیٹا آئی آئی ٹی کھڑگ پور میں ہے۔ عجیب جگہ ہے! اس نے ٹیلی فون کیا تھا وہ آج رات پہنچ رہا ہے۔ باقی دو لڑکے بمبئی اور بنگلور میں ہیں۔ وہ بھی آئیں گے ظاہر ہے، لیکن انھیں دو ایک دن لگ جائیں گے۔ سب سے زیادہ فکر مجھے امّی کی ہے۔ میری امّی، ببلو کی نہیں۔ ببلو کی امّی تو اس صدمے کو برداشت ہی نہ کر پاتیں اگر وہ زندہ ہوتیں۔ مگر میں نے فیصلہ کرلیا ہے اگر ببلو ان بدمعاشوں کے پاس ہے تو وہ تاوان کا مطالبہ کریں گے۔ میں رقم دے دوں گا۔ میں رقم دے کر ببلو کو حاصل کرلوں گا۔ پھر وہ پکڑے جاتے ہیں یا نہیں، یہ آپ کا درد سر ہے، میرا نہیں"۔
کلکتے کے نامی گرامی وکیل دانیال مُڑے، اور کتابوں سے آراستہ دفتر سے باہر نکلنے لگے۔ ان کے قدموں کی چاپ سنگِ مرمر کے فرش پر گونجنے لگی اور انسپکٹر خالد اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھنے کے لیے اکیلے رہ گئے۔

بحیرۂ رُوم کیسے بنا؟

بحیرۂ روم تقریباً کرۂ ارض کے وسط میں واقع ہے۔ اور یورپ، ایشیا اور افریقہ سے گھرا ہوا ہے۔ دنیا کے محصور سمندروں میں سب سے بڑا ہے۔ بحیرۂ روم کا رقبہ نو لاکھ پینسٹھ ہزار مربع میل ہے۔ بحیرۂ روم کی زیادہ سے زیادہ لمبائی دو ہزار چار سو میل، زیادہ سے زیادہ چوڑائی ایک ہزار میل، گہرائی ساڑھے چار ہزار فٹ سے لے کر چودہ ہزار چار سو ننانوے فٹ تک ہے۔ اس کا ساحل نو ہزار میل لمبا ہے۔ ماہرینِ طبقات الارض کہتے ہیں کہ بحیرۂ روم آہستہ آہستہ سکڑ رہا ہے۔ آج سے اٹھارہ کروڑ برس پہلے یہ موجودہ شکل سے کئی گنا بڑا تھا۔ اور یورپ اور افریقہ کے درمیان کہیں بھی سمندر کے سوا خشکی کا نشان نہ تھا۔ اس زمانے میں جو دریا اس سمندر میں آکر گرتے تھے، وہ کروڑوں سال تک مٹی لا لا کر اس میں ڈالتے رہے اور اس طرح نئے نئے جزیرے وجود میں آئے۔ اس کے بعد پانچ کروڑ سال قبل زمین کے اندر بھی بعض نمایاں تبدیلیاں آئیں۔ جس کا سبب سمندر کے اندر پھٹنے والے آتش فشاں پہاڑ تھے۔ چنانچہ بحیرۂ روم کے شمالی ساحل پر جو طویل و عریض سلسلہ پھیلا ہوا ہے وہ انہی زلزلوں کا نتیجہ ہے۔

مرسلہ: محمد پرویز آرائیں، کوٹ عبدالمالک، لاہور

لطائف کے اس سلسلے میں آئندہ سب سے اچھے لطیفے پر انعام بھی دیا جائے گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ انعام آپ کو ملے تو گھسے پٹے اور شائع شدہ لطائف نہ بھیجیں بلکہ اچھی اچھی کتابوں سے نئے اور دلچسپ لطائف اور مزاحیہ واقعات ارسال کریں۔ سب سے اچھا لطیفہ بھیجنے والے ساتھی کو بطورِ انعام تین ماہ کے لئے "آنکھ مچولی" جاری کیا جائے گا۔

(ادارہ)

ایک آدمی حادثے کے بعد اپنی ٹوٹی پھوٹی کار لے کر مستری کے پاس گیا۔ مستری نے کار پر نظر ڈال کر کہا۔ "معاف کیجیے گا، جناب! ہم کاروں کی مرمت کرتے ہیں اُن پر استری نہیں کرتے۔"

آصف محمود ——— کاہنہ نو ضلع لاہور

ایک انگریز نے ایک پاکستانی سے کہا "ہم انگریزوں کے رنگ تو ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن تم پاکستانیوں کے رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔"

پاکستانی نے جواب دیا "آپ ٹھیک کہتے ہیں، تمام گھوڑے ایک جیسے نہیں ہوتے لیکن گدھے ایک جیسے ہوتے ہیں۔"

محمد رفیع ——— گاؤں کوٹیاں

انسپکٹر، (سپاہی سے) "تم نے چور کو گرفتار کیا؟"

سپاہی: "چور تو گرفتار نہیں ہو سکا۔ البتہ اس کی انگلیوں کے نشانات مل گئے ہیں۔"

انسپکٹر: "نشانات کہاں ہیں؟"
سپاہی: "میرے گال پر"
محمد غفران عامر ——— گلشن اقبال کراچی

پوتا: "دادا جان کیا آپ کے منہ میں دانت ہیں"
دادا: "نہیں بیٹے"
پوتا: "تو پھر آپ میرے اخروٹ لیجیے"
شہزاد اقبال ——— پشاور

ملا نصر الدین ایک دن کلیجی لے کر گھر جا رہے تھے۔ ان کے ایک ہاتھ میں کلیجی اور دوسرے میں ایک کاغذ جس پر کلیجی پکانے کی ترکیب لکھی ہوئی تھی۔ ملا ابھی کچھ دور گئے تھے کہ ایک چیل آئی اور ان کے ہاتھ سے کلیجی لے کر چلتی بنی۔ ملا صاحب ہنس کر بولے "ترکیب والا کاغذ تو میرے پاس ہے تو اُسے پکائے گی کیسے۔؟"
اسد علی خان ——— سٹلائٹ ٹاؤن، سرگودھا

ایک نوفٹ کا آدمی پھل فروش کی دوکان پر گیا اور ایک ٹوکرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا "ایک سیر انگور دیدیجیے" پھل فروش نے اُسے گھور کر دیکھا اور کہا۔ حضرت بیٹھ کر دیکھئے یہ انگور نہیں تربوز ہیں۔
کامران شاہد ——— آرام باغ کراچی

ایک دوست: "کیوں بھئی امتحان کب سے ہیں"؟
دوسرا دوست: "پانچ مارچ سے"۔
پہلا: "کچھ تیاری کی ہے۔"؟
دوسرا: "کیوں نہیں! نیا قلم خریدا ہے۔ نئے کپڑے سلوائے ہیں اور ایک نئی گھڑی خریدی ہے"۔
بینش احسن ——— اٹک کینٹ

ایک پولیس افسر نے اپنے ماتحت سپاہی کو ایک ہی شخص کی چھ تصویریں دیتے ہوئے کہا "جاؤ! اس شخص کو پکڑ لاؤ" تین چار روز بعد سپاہی آیا اور افسر سے فخریہ انداز میں کہنے لگا۔
"جناب عالی! پانچ ملزمان گرفتار ہو چکے ہیں۔ چھٹے کی تلاش جاری ہے۔"

اُستاد (شاگرد سے) "سیکنڈ ہینڈ کا کیا مطلب ہے۔؟"
شاگرد (سوچ کر) "جناب اس کا مطلب ہے دوسرا ہاتھ"
حسن مہدی غزرسانی ——— فیڈرل بی ایریا کراچی

ایک شیخ چلی قسم کا شکاری اپنے دوست کو لے کر شکار کھیلنے نکلا۔ ایک تالاب پر پہنچ کر اس نے تالاب میں تیرتی ہوئی مرغابی پر گولی چلائی لیکن نشانہ خطا ہو گیا اور مرغابی اڑ گئی۔

شکاری نے شرمندگی سے اپنے دوست کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آج پہلی بار مری ہوئی مرغابی کو اُڑتے ہوئے دیکھا ہے۔"
افتخار علی چوھدری، گورنمنٹ ھائی اسکول مزنگ لاھور

ایک بوڑھا اپنے دوست سے بڑے فخر سے کہہ رہا تھا "میاں ہمارا تو بڑھاپے نے کچھ نہیں بگاڑا۔ ہم تو ایسے ہی ہیں جیسے جوانی میں تھے"۔
"کیا مطلب"؟ اس کے دوست نے پوچھا۔
بوڑھے نے جواب دیا" وہ سامنے اکھاڑے میں جو پتھر رکھا ہوا ہے وہ ہم سے نہ تو جوانی میں اٹھا اور نہ اب اُٹھتا ہے۔"
محمد ریحان —— شاہ فیصل کالونی، کراچی

دو چور رقم چرا کر بھاگے ایک نے بھاگتے ہوئے دوسرے سے کہا۔
"یار رقم تو گن لو"
دوسرے نے جواب دیا" گننے کی کیا ضرورت ہے کل اخبار میں پڑھ لینا۔"
اشرف کمالیہ —— کمالیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ

استاد: "بچو! تمہیں کون سی چیز میرا ادب کرنے پر مجبور کرتی ہے"۔
بچے: "سر آپ کی چھڑی"۔
اسمار سعید فریدی —— لاھور

حارث اپنے دوست جنید سے! "میں نے پچھلے سال اپنے کتے کو دریائے سندھ میں پھینکا تھا اور وہ ابھی تک بہہ رہا ہے"۔
جنید: "تمہارا کتا"؟
حارث: "نہیں دریائے سندھ"
محمد بلال —— تلہ گنگ

گاہک دکاندار سے "کھجوروں کے ٹوکرے سے کمبل اٹھاؤ، ذرا دیکھیں، تمہاری کھجوریں کیسی ہیں"؟
دکاندار: حیران ہوتے ہوئے" بھائی یہ کمبل نہیں مکھیاں ہیں"۔
صبا شمیم —— نارتھ ناظم آباد، کراچی

استاد شاگرد سے "سرگرم کو جملے میں استعمال کرو"۔
شاگرد: "دھوپ میں مسلسل چلنے سے سرگرم ہو جاتا ہے"۔
اوشاق علی جمالی —— سکھر

موسم کا حال بتانے والی بلّی

عائشہ سلیم

کس گھر میں نہیں ہوتی؟ اور جس گھر میں بلّی نہ ہو وہ گھر بھی بھلا کوئی گھر ہوتا ہے؟ دیکھئے--- دیکھئے--- ہماری معلومات پر بحث کے لیے تیار ہونے سے پہلے اور ہمارے ابتدائی جملوں پر حیران ہونے سے قبل ہماری پوری بات تو سُن لیجئے۔ پھر آپ چاہیں تو ہم بحث کے لیے تیار رہوں گے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ آپ کے گھر میں اور آپ کے بہت سے جاننے والوں کے گھروں میں بلّی نہیں ہے۔ مگر جناب ہم چار پاؤں والی بلّی کی بات تو نہیں کر رہے۔ ہم تو بات کر رہے ہیں آپ کی چار سالہ ننھی مُنّی بہن کی، آپ کی تُتلا تُتلا کر بات کرنے والی تین سالہ گول مٹول بھتیجی کی، اور آپ کے گلے میں ننھے منّے، ملائم ملائم ہاتھ ڈال کر باہر جانے کے لیے ضد کرنے والی چھ سالہ بھانجی کی۔ آپ ان میں سے کسی ایک کو پیار سے بلّی یا مانو بلّی کہہ کر پکارتے ہیں نا۔

اب آپ خود ہی بتایئے جس گھر میں یہ بلّیاں نہ ہوں وہ گھر بھی بھلا کہیں گھر کہلانے کا مستحق ہے؟

جناب! ہمارا دل تو چاہ رہا ہے کہ آج آپ سے انہی پیاری پیاری بلّیوں کی اُن معصوم شرارتوں اور محبتوں کے بارے میں بات کریں جن سے ہم سب کے گھر روشن ہیں۔ مگر آج ہمیں آپ کی ملاقات ایک ایسی بلّی سے کرانی ہے جو ہے تو انہی کی طرح پیاری مگر اس کے چار پاؤں ہیں۔ یعنی وہ سچ مچ کی بلّی ہے۔

اور یہ بلّی ہے "بوب" جسے امریکی ریاست اوری گون کے پورٹ لینڈ کے مقامی ٹی وی کے ناظرین "موسم کا حال بتانے والی بلّی" کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ بلّی ہر ہفتے اپنے مالک ڈیوڈ ایپل کے ساتھ مقامی ٹی وی کے اسکرین پر نمودار ہوتی ہے۔ اس پروگرام میں پہلے پروگرام کے میزبان ڈیوڈ ایپل پورے امریکہ اور ریاست کے موسمی حالات کے بارے میں اپنے ناظرین کو معلومات فراہم کرتے ہیں اور پھر ناظرین سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں "آئندہ موسم کی پیش گوئی سے قبل آیئے بوب سے ملیں، دیکھیں وہ کس حال میں ہے"۔ اور پھر اس کے بعد یہ بلّی ٹی وی اسکرین پر آئندہ موسم یا خاص موقع کی مناسبت سے مختلف طرح کے کپڑے پہن کر نمودار ہوتی ہے اور ناظرین اُس کے کپڑوں کی نوعیت دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ آئندہ ہفتے تک موسم سرد رہے گا یا گرم، خشک رہے گا یا بارش ہونے کا امکان ہے۔

امریکہ بھر میں مشہور یہ بلّی آج سے تقریباً چار سال پہلے ڈیوڈ ایپل کو اپنے گھر کے ساتھ واقع باغیچے میں بھوکی پیاسی پھرتی ہوئی ملی تھی۔ شاید اُس وقت اس بلّی کا کوئی گھر نہیں تھا۔ ایپل نے رحم کھا کر بلّی کو پال لیا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ بلّی ٹی وی پر کیسے پہنچی۔ تو صاحب ہُوا یہ تھا کہ ایک روز ایپل صاحب اپنی بیوی کے ساتھ اپنے گھر کے باغیچے میں ٹی وی کے لیے موسمی حالات پر ذاتی کیمرے کی مدد سے ایک فلم بنا رہے تھے کہ یہ بلّی خود بخود کیمرے کے سامنے آگئی اور بقول اس کے مالک کے یہ بلّی ٹی وی اسکرین پر اتنی اچھی اور پُر اعتماد نظر آئی کہ اسے ٹی وی پر موسم کا حال بتانے والی بلّی کا کام مل گیا۔

BOB

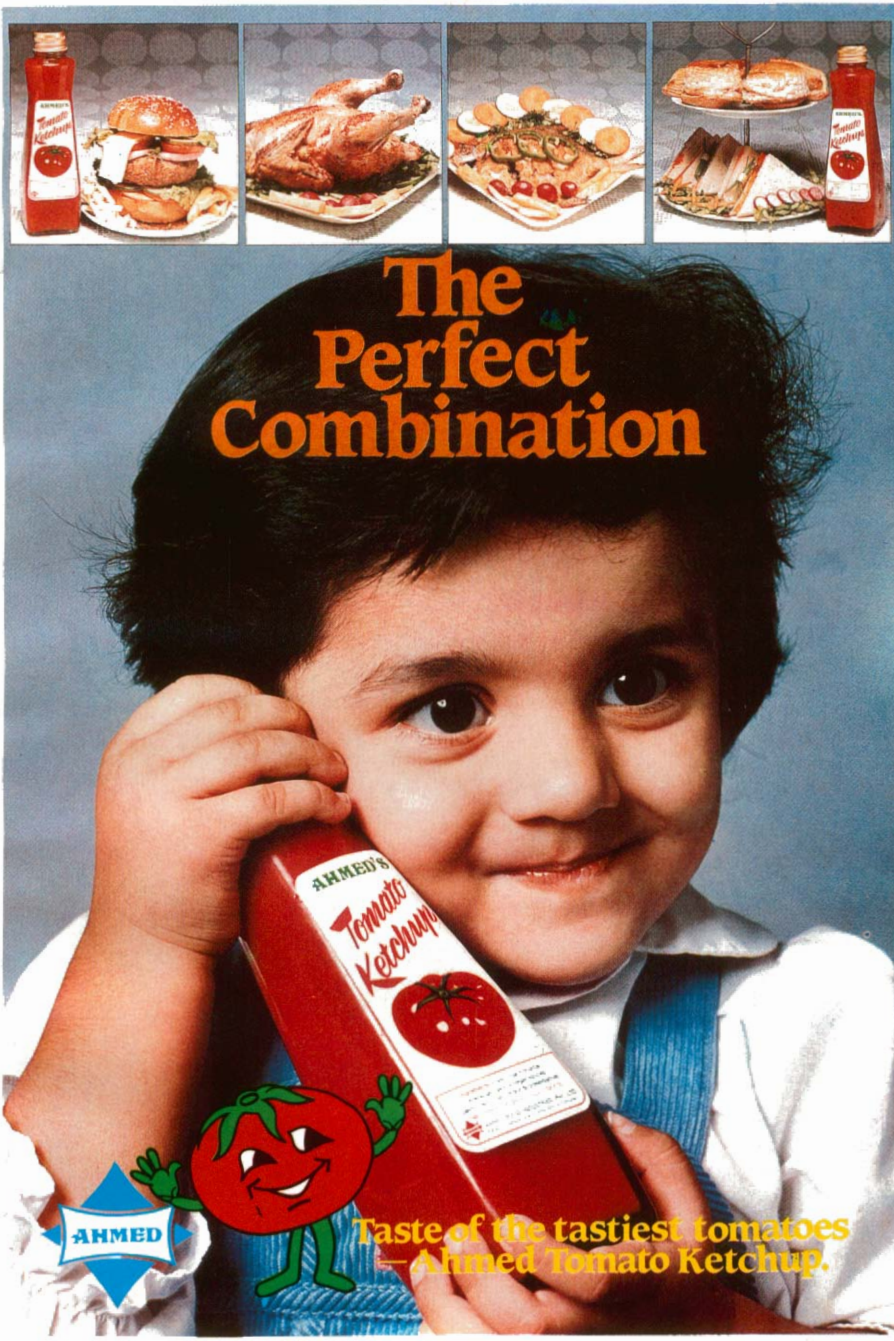
The Perfect Combination
AHMED'S
Tomato Ketchup
AHMED
Taste of the tastiest tomatoes
—Ahmed Tomato Ketchup.

رضیہ فصیح احمد

ڈرامہ

بدلہ

دوسرا حصّہ

زاہد۔ "شی! پٹواؤگے، شور کیوں مچا رہے ہو۔" (منصور اور شاہد جلدی سے منہ پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں)

منصور۔ "لاؤ کہاں ہے سامان۔"

زاہد۔ "غسلخانے میں الماری کے اندر۔"

منصور۔ "آؤ جاوید۔" (جاوید ڈرتے ڈرتے آگے بڑھتا ہے۔ منصور ہاتھ پکڑ کر اُسے غسلخانے میں لے جاتا ہے اور دروازہ بند کر دیتا ہے)

شاہد۔ "زاہد سُنا ہے اپنے وارڈن صاحب نے شادی کر لی ہے۔"

زاہد۔ "ہاں اسی لیے تو چھٹّی پر گئے تھے۔"

شاہد۔ "مٹھائی مانگیں گے ان سے۔"

زاہد۔ "موڈ میں ہوئے تو مٹھائی کھلا دیں گے ورنہ مار۔۔۔"

شاہد۔ "نہیں، یہ تو ان میں لاکھ روپے کی عادت ہے کہ کبھی غصّہ نہیں آتا۔ سزا بھی ہنس ہنس کر دیتے ہیں۔"

زاہد۔ "ہاں یہ تو ہے۔ ان کی سزا پا کر کبھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ بے جا سزا ملی ہے۔"

شاہد۔ "اور دوسرے ماسٹروں کی طرح بلاوجہ رعب بھی نہیں ڈالتے۔"

(باہر کے دروازے پر کھٹکا ہوتا ہے اور کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دیتی ہے۔ زاہد لپک کر بستر پر لمبا لمبا لیٹ جاتا ہے۔ شاہد جلدی سے لیمپ بُجھا دیتا ہے اور اوندھے منھ چارپائی پر لیٹ جاتا ہے۔ کمرے میں بہت

ہلکی روشنی ہے جیسے باہر کسی برآمدے وغیرہ سے آرہی ہو۔ وارڈن داخل ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی وقت غسلخانے کا دروازہ کھلتا ہے اور جاوید بھوت کے لباس میں داخل ہوتا ہے۔ سر سے پیر تک سیاہ یا سفید چغے میں ملبوس، لمبی لمبی خالی آستین ہوا میں لٹکتی ہوئی منھ پہ بے حد بھیانک چہرہ چڑھا ہوا۔ وارڈن ایک قدم پیچھے سرک کر چیخ مارتے ہیں۔ بھوت فوراً اندر گھس کر دروازہ بند کر لیتا ہے۔ یہ سب کچھ چند سیکنڈ میں ہوتا ہے)

زاہد ۔ (بیٹھ کر، ایکٹنگ کرتا ہوا) کون ہے؟

شاہد ۔ (اُٹھ کر، جیسے شور سُن کر سوتے سوتے اٹھا ہو) "چور، چور۔"

وارڈن ۔ "شی، خاموش، میں ہوں وارڈن۔ (بتّی جلاتے ہیں) میں نے ابھی کوئی سایہ یہاں دیکھا تھا"۔ (غسلخانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں)

شاہد ۔ "آپ کا مطلب ہے سَر کوئی چور"؟

زاہد ۔ (لپک کر کہ کہیں وارڈن غسلخانے میں نہ دیکھیں، بہادری سے) "میں ابھی دیکھتا ہوں (غسلخانے میں جھانک کر) یہاں تو کوئی نہیں ہے سَر"۔

وارڈن ۔ "یوں ہی مجھے وہم ہوا ہوگا۔ سو جاؤ تم لوگ (جاتے جاتے پلٹ کر) یہ ٹوکرا کیسا پڑا ہے یہاں"؟

شاہد ۔ (جلدی سے) "میرے والد نے ملتان سے آم بھجوائے ہیں، آپ لیجئے گا؟"

وارڈن ۔ "نہیں، شکریہ"۔ (چلے جاتے ہیں)

زاہد ۔ "بُدھو، اگر وہ کہہ دیتے کہ ہاں دے دو کیا پتھر پکڑا دیتے ان کو"۔

شاہد ۔ "مجھے معلوم ہے ہمارے سوا کوئی اس وقت آم نہیں کھا سکتا اور سَر تو ویسے بھی ہم لوگوں سے کوئی چیز نہیں لیتے"۔

(غسلخانے سے منصور اور جاوید نکلتے ہیں۔ جاوید نے وہ بھیانک چہرہ اُتار دیا ہے جو گلے میں پڑا جھول رہا ہے۔ چغہ پہنے ہوئے ہے۔)

منصور ۔ "یار، سب گڑبڑ ہو گئی، وارڈن صاحب کو شبہ ہو گیا"۔

جاوید ۔ "اب تو میں ہرگز نہیں جاؤں گا، ورنہ صاف اسکول سے نکلوا دیں گے مجھے"۔

شاہد ۔ "کچھ نہیں ہوگا، بلکہ اب تو انھیں یقین ہو جائے گا کہ سچ مچ کی کوئی چیز ہاسٹل میں تھی جو انھوں نے بھی دیکھی تھی"۔

منصور ۔ "ہمت کرو یار۔ شرارت میں تو یہی ہوتا ہے اِدھر یا اُدھر۔ جاؤ شاہد اور زاہد یہ ٹوکرا اور ڈبّہ واپس رکھ آؤ"۔

(خود کُرسی پر ڈٹ کر بیٹھ جاتا ہے)

زاہد ۔ "بس بہت حکم چلا لیا، اب سدھارو ہمارے کمرے میں سے، یہ چیزیں بھی لیتے جاؤ ابھی بال بال بچے ہیں اگر پھر وارڈن

آگئے تو ہماری کم بختی آئے گی۔ (لیٹ جاتا ہے) شب بخیر!"
شاہد ۔"ہائے بھوک کے مارے بُری حالت ہے (لیٹ جاتا ہے) خداحافظ ۔ ٹوکرا اُٹھا کر لیتے جانا۔"
جاوید ۔"آؤ منصور ہمیں ہی اٹھانا ہوگا ۔ یہ لوگ اب نہیں ہلیں گے۔"
منصور ۔"چلو (جاوید ٹانی کا ڈبہ ٹوکرے پر رکھتا ہے ۔ دونوں بمشکل ٹوکرا اٹھاتے ہیں، دروازے سے نکلتے ہیں تو شاہد پکارتا ہے۔)
شاہد ۔"ذرا لائٹ بند کرتے جانا۔"
منصور ۔"ہمارے ہاتھ خالی نہیں ہیں، خود اُٹھ کر بند کر و سُستوں کے سَردار"۔
زاہد ۔ (آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر) آرے بند کردو نا شاہد۔"
شاہد ۔"تم اٹھو نا، سوئچ تم سے نزدیک ہے، میں تو کمزوری کے مارے ہل نہیں سکتا۔"
زاہد ۔"میں کیسے اُٹھوں، میں تو سو چکا ہوں۔"
شاہد ۔"بھئی تم سب لوگ کس قدر سُست ہو، میں ابھی اسی وقت برادری سے استعفیٰ دیتا ہوں"۔
زاہد ۔"میں ابھی اسی وقت نامنظور کرتا ہوں"۔
شاہد ۔"کیوں؟"
زاہد ۔"اس لیے کہ استعفیٰ لکھا ہوا ہونا ضروری ہے ۔ اس وقت روشنی فوراً بند ہونی چاہیئے اور اندھیرے میں تم لکھ نہیں سکتے۔"
شاہد ۔"تم سوتے میں تو بڑی عقلمندی کی باتیں کرتے ہو"۔
زاہد ۔"عقل مند آدمی ہمیشہ عقل مند رہتا ہے چاہے سوتا ہو چاہے جاگتا ہو اور تمھارے جیسا بے وقوف آدمی مرنے کے بعد بھی بے وقوف رہتا ہے ۔ اسی بات پر جلدی سے روشنی بند کردو ، شور سُن کر وارڈن آئے اور ہمارے کمرے میں روشنی دیکھی تو سمجھیں گے ہماری ہی کچھ شرارت ہے"۔
شاہد ۔"تم ہارے میں جیتا! (میں ہارا تم جیتے کہنے کے بجائے اُلٹا کہتا ہے، پھر روشنی بند کرتا ہے اور بستر پر لیٹ جاتا ہے۔ چند لمحے خاموشی رہتی ہے، پھر دوسرے کمرے سے چیخ و پکار کی آواز آتی ہے، جاوید بھاگتا ہوا آتا ہے اور دھڑ سے کرسی پر گر پڑتا ہے ۔ پیچھے منصور آتا ہے، ٹیبل لیمپ جلاتا ہے، جاوید کے ماتھے سے خون نکل رہا ہے۔)
شاہد اور زاہد ۔(اُٹھ کر) "کیا ہُوا"؟
منصور ۔"جاوید نے جو اُسے جگانے کے لیے ذرا چھیڑا تو وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بجائے ڈرنے یا چیخنے کے پاس پڑی ہوئی ہاکی اسٹک اُٹھا کر اُسے مارنے لگا ۔ بڑی مشکل سے بے چارہ جان بچا کر بھاگا ہے"۔ (وارڈن آتے ہیں)
وارڈن ۔"یہ کیسا شور ہو رہا ہے (روشنی جلا کر جاوید کو دیکھتے ہیں جو کرسی پر بے سُدھ پڑا ہے) کس نے مارا اِس کو؟"

منصور ۔ "اس کے کمرے کے ساتھی نے"۔ (جاوید آنکھ کھول کر وارڈن کو دیکھتا ہے)

وارڈن ۔ "جاوید! کیوں مارا اس لڑکے نے تمھیں"؟

منصور ۔ "وہ یہ ہوا کہ ..."

وارڈن ۔ "میں جاوید سے پوچھ رہا ہوں"۔

جاوید ۔ "وہ لڑکا نہیں جن ہے سَر، میں پہلے ہی ان لوگوں سے کہہ رہا تھا"۔

وارڈن ۔ (گلے میں پڑا ہوا چہرہ اور جُبّہ دیکھ کر) "تم اُس کو ڈرانے گئے تھے"؟

جاوید ۔ (رونی آواز میں) "ان لوگوں نے مجھے زبردستی بھیجا تھا، میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ وہ ... جن ہے"۔

وارڈن ۔ "اچھا تم میرے ساتھ آؤ ... تم سب لوگ فوراً سونے کا بندوبست کرو، صبح تم سے بات چیت ہوگی"۔

(وارڈن جاوید کو لے کر چلے جاتے ہیں)

زاہد ۔ "اب آئی کم بختی"۔

شاہد ۔ "اب تو مجھے بھی شک ہو رہا ہے کہ کہیں یہ لڑکا واقعی جن نہ ہو"۔

منصور ۔ "ارے یہ بات نہیں۔ جس وقت ہم لوگ اندر گھسنے گئے، شاید اُس وقت اُس کی آنکھ کُھل گئی۔ اسی وقت اُس نے ہاکی اسٹک اُٹھا کر اپنے پاس رکھ لی اور جھوٹ موٹ لیٹ گیا، پھر جب جاوید ڈرانے کے لیے اکیلا گیا تو اُس کی خوب خبر لی"۔

زاہد ۔ "مجھے تو یہ فکر ہے کہ کل ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے کیا کہیں گے"؟

شاہد ۔ "بڑی سخت سزا ملے گی"۔

منصور ۔ "آج تک کسی نئے لڑکے نے اتنا پریشان نہیں کیا تھا۔ اس نے تو ناک میں دم کر دیا"۔

زاہد ۔ "چاہے جتنی سزا ملے، بدلہ تو اس سے لے کر رہیں گے"۔

شاہد ۔ "بدلہ ضرور لیں گے"۔

منصور ۔ "چکرم چوکڑی"۔ (سب مل کر) "زندہ باد"!

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا ایکٹ

وہی کمرہ۔ سارا سامان وہی ہے صرف کیلنڈر کی تاریخ یکم ستمبر ہے۔ زاہد، منصور، شاہد، امجد اور جاوید آج بھی رات کے کپڑوں میں نظر آتے ہیں جاوید کے ماتھے پر + کراس کی شکل میں دو چھوٹی پٹیاں چپکی ہوئی ہیں۔ رات کا وقت ہے۔

امجد ۔ "مجھے یہ سُن کر بہت افسوس ہوا کہ اس دفعہ تم چھٹیوں میں گھر نہیں جا سکو گے"۔
منصور "تم سراسر غدّار ہو۔ ہمیں مصیبت میں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہو ہم نے تمہیں اپنی پارٹی سے نکال دیا ہے"۔
امجد ۔ "میں تو ہمیشہ سے تمہاری پارٹی کا آدھا ممبر تھا' اب بالکل نکال کر تم نقصان میں رہو گے۔ کیونکہ تم شیطانوں کے ساتھ کوئی پاسبانِ عقل ضرور ہونا چاہیئے"۔

زاہد ۔ (جوش میں آکر) " اچھا ہے دِل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے "

امجد ۔ "میں تو تمہیں تنہا چھوڑنے ہی والا تھا کیونکہ ساڑھے نو بج گئے ہیں' سونے کا وقت ہو رہا ہے۔ اچھا میں چلا ۔ ۔ ۔ شب بخیر،" (باہر نکل جاتا ہے)
منصور ۔ "معلوم ہوتا ہے آج کل آٹھ بجے ہی ساڑھے نو بج جاتے ہیں"۔
زاہد ۔ "واقعی ابھی کھانا کھا کر آئے ہیں' ابھی سونے کا وقت ہو گیا' انسان ضروری کام کس وقت کرے"۔
شاہد ۔ "جو لوگ کل کے جلسے میں حصّہ لے رہے ہیں ان کو آج رات گیارہ بجے تک جاگنے کی اجازت مِل گئی ہے"۔
منصور ۔ "یہ تو سراسر ظلم ہے کہ دوسرے جاگیں اور ہم سوئیں"۔
جاوید ۔ "ہم بھی کسی چیز میں حصّہ لیتے تو جاگ سکتے تھے"۔
منصور ۔ "ہم یوں ہی جاگیں گے، دیکھو ابھی ایک قوّالی شروع کرتے ہیں۔ وارڈن سمجھیں گے کہ یہ بھی ورائٹی شو کا حصّہ ہو گی"۔
زاہد ۔ "ہاں، یہ ٹھیک ہے"۔
شاہد ۔ "ہال سے طلبہ اور ہارمونیم بھی لے آئیں؟"
منصور ۔ "ہاں ہاں جاؤ۔ اتنے ہم اور کدّو مِل کر قوّالی لکھتے ہیں"۔
شاہد "آؤ جاوید، امجد کو بھی اُٹھا کر لاتے ہیں یہ ہمیشہ چالاکی کر جاتا ہے ہمارے ساتھ"۔
(دونوں باہر جاتے ہیں۔ زاہد ایک کاغذ پنسل منصور کو دیتا ہے اور ایک خود لیتا ہے۔ دونوں پلنگ پر بیٹھ کر کچھ دیر ساتھ لکھتے ہیں پھر منصور اُٹھ کر میز پر جا بیٹھتا ہے، دونوں جلد جلد کاغذ پر کچھ گھسیٹتے ہیں۔ شاہد اور امجد ہارمونیم پکڑے اور جاوید طبلے لیے اندر آتا ہے۔ تینوں سر پر مختلف قسم کی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے ہیں)
منصور ۔ (ان کو دیکھ کر) "شاباش! اب آگیا قوّالی میں رنگ، لاؤ شاہد ایک ٹوپی مجھے بھی دو"۔
شاہد ۔ (چارپائی کے نیچے پڑے ہوئے بکس میں سے ایک ٹوپی نکال کر منصور کو دیتا ہے۔ زاہد کھونٹی پر پڑے ہوئے کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی ٹوپی نکال کر منصور کو دیتا ہے۔ سب قوّالی کے انداز میں بیٹھ جاتے ہیں۔ جاوید ہارمونیم بجا

ہے، زاہد طبلہ۔ کاغذ کے دونوں پرچے درمیان میں رکھ لیتے ہیں)

منصور (تان اٹھاتا ہے) "آں آں --- ارے پھینکیں گے ایسا جال بچّو آکے پھنس جائے"۔

شاہد ۔ "کرے گا ہم سے وہ کب تک لڑائی ہم بھی دیکھیں گے"۔

(سب تالیاں بجا کر اور سر ہلا کر گاتے ہیں)

"ہم بھی دیکھیں گے اجی ہاں ہم بھی دیکھیں گے"۔

جاوید ۔ (جھک کر کاغذ پڑھتے ہوئے) "شکایت کی جو ساتھی نے تو اُس کو دُھن کے رکھ دیں گے"۔

سب مل کر ۔ "اجی ہاں دُھن کے رکھ دیں گے، ارے ہاں دُھن کے رکھ دیں گے"۔

منصور ۔ "وہ کیسے کھائے گا چُغلی ہماری ہم بھی دیکھیں گے"۔ (سب دہراتے ہیں)

زاہد ۔ "غضب ہے ساری جنگیں ہم سے پہلے ختم کر ڈالیں"۔

امجد ۔ "جو پانی پت کی ہو چوتھی لڑائی ہم بھی دیکھیں گے"۔ (سب دہراتے ہیں)

شاہد ۔ "ارے ہم نے تو سارے چیپٹر (CHAPTER) ہی پھاڑ ڈالے ہیں"۔

سب مل کر "پڑھائیں گے وہ اب کیسے جیومیٹری ہم بھی دیکھیں گے"۔

منصور ۔ "نقل اس کو نہیں کہتے، اجی تم بدّھو ہو"۔

امجد ۔ "ذرا بس یوں کنارے رکھنا کاپی، ہم بھی دیکھیں گے"۔

زاہد ۔ "نکل جائیں گے پکچر دیکھنے موقع ملے گا جب ـــــ کبھی آدھی، کبھی ساری کی ساری ہم بھی دیکھیں گے"۔

جاوید ۔ (کھڑے ہو کر اور ہاتھ سے چاروں طرف اشارہ کرتے ہوئے۔)

"سُنا ہے سَر نے بُڈّھی میم سے شادی رچا ڈالی"

سب مل کر ۔ "چلو چل کے کہیں دادی کو اپنی ہم بھی دیکھیں گے"

(وارڈن داخل ہوتے ہیں۔ لڑکے جلدی سے گانا بند کر دیتے ہیں)

وارڈن ۔ "کیا ہو رہا ہے بھئی"۔

منصور ۔ "سَر، کل کے جلسے کے لیے تیاّری کر رہے ہیں"۔

جاوید ۔ (جلدی سے) "سَر آپ نے سُنی ہماری قوّالی"؟

وارڈن ۔ "نہیں! اس وقت تو میں جا رہا ہوں کل ہی سنوں گا"۔

زاہد ۔ "ہم نے تو سُنا تھا کل آپ چھٹی جا رہے ہیں جلسے میں شریک نہیں ہوں گے"۔

وارڈن۔ "نہیں، میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ تم لوگوں کی قوّالی ضرور سنوں گا۔ شب بخیر!"

سب لڑکے۔ "شب بخیر!"

شاہد۔ "کل کو یہ بھید کھُلے گا کہ قوّالی کے بہانے رات کو دیر تک جاگے ہیں تو اور پٹائی ہوگی۔"

منصور۔ "ارے کل کی کل دیکھی جائے گی اسوقت تو جاگنے کی اجازت مل گئی۔"

سب مل کر۔ (تالیاں بجا کر پھر گانے لگتے ہیں) "جی ہاں ہم بھی دیکھیں گے۔ ارے ہاں ہم بھی۔۔۔"

(اعظم داخل ہوتا ہے۔ سفید ٹخنے تک اونچا پاجامہ اور قمیض پہنے ہوئے ہے۔ پیٹھ پر پانی سے بھری ہوئی ٹمی سی مشک، کندھے پر ایک چھوٹی سی تولیہ، ننگے پاؤں ہے۔)

اعظم۔ "آج تم لوگوں نے پھر سارا ہاسٹل سَر پر اُٹھا رکھا ہے۔ میں ابھی جا کر وارڈن صاحب سے شکایت کرتا ہوں"۔

منصور۔ (رعب سے) "کر دو۔ ہم کل کے جلسے کے لیے قوّالی کی پریکٹس کر رہے ہیں"۔

اعظم۔ "یہ کسی اور کو چلانا۔ مجھے معلوم ہے آپ کی قوّالی ووّالی کچھ نہیں ہے"۔

(باہر جانے لگتا ہے۔ زاہد لپک کر اُسے جا لیتا ہے)

زاہد۔ "یہ کیا عالی جاہ (کپڑوں کی طرف اشارہ کرتا ہے) کیا جہاں پناہ بھشتی کا بھیس بدل کر شہر میں گشت کرنے نکلے ہیں"۔

شاہد۔ "ارے بھئی تمھیں معلوم نہیں بادشاہ سلامت کی ترقی ہوگئی ہے۔ اب انھیں بھشتی بنا دیا گیا ہے"۔

اعظم۔ (بگڑ کر) "اور یہ تم لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اُس دن میں شور و شر کی وجہ سے پارٹ یاد نہیں کر سکا"۔

جاوید۔ "شور کی وجہ سے یا آموں کے لالچ میں؟" (سب ہنستے ہیں)

زاہد۔ "ہمیں افسوس ہے کہ۔۔۔۔"

منصور۔ (بات کاٹ کر جلدی سے) "ہماری وجہ سے آپ کو اپنی اوقات پر آنا پڑا"۔

شاہد۔ "میں نے اُس دن کہا تھا کہ بھشتی کا پارٹ تم پر خوب سجے گا، چشم بد دُور نظر نہ لگے سچ مُچ کے بھشتی نظر آرہے ہو"۔

زاہد۔ "بلکہ یوُں معلوم ہو رہا ہے جیسے باپ دادا کے زمانے سے یہی کام کرتے آئے ہو"۔

اعظم۔ "دیکھو ایسی بات نہ کہنا ورنہ۔۔۔"

شاہد۔ (بیچ بچاؤ کرنے کے انداز میں) "اعظم بھائی یہ سب تم سے جل رہے ہیں، ماشاءاللہ کیا پارٹ کرتے ہو۔ میں کہتا ہوں بہترین اداکاری کا انعام سوائے تمھارے کسی کو نہیں مل سکتا۔ بس تھوڑی سی پریکٹس اور کر لو آئینے کے سامنے"۔ (ہاتھ پکڑ کر باہر لے جانے کی کوشش کرتا ہے)

اعظم۔ "تم لوگوں کی چیخ و پکار میں آدمی کیا یاد کر سکتا ہے"۔

شاہد۔ "نہ بھائی اب ہم بالکل کچھ نہ بولیں گے آپ اطمینان سے اپنا کام کریں"۔ (اُسکو لے کر باہر نکلتا ہے)
منصور۔ (پکار کر) "دیکھ کر آنا بچو جی جاگتے ہیں یا سو گئے"۔ (زاہد اور جاوید ہارمونیم اور طبلہ چارپائی کے نیچے سرکا دیتے ہیں)
امجد۔ (کھڑا ہو کر) "بھئی بہت دیر ہو گئی میں اب چلتا ہوں"۔
منصور۔ "ارے تم کہاں چلے، تم سے تو ابھی بہت ضروری کام ہے"۔
امجد۔ (حیران ہو کر) "مجھ سے؟ کیا کام ہے"؟
منصور۔ "بس دیکھتے جاؤ"۔
شاہد۔ "تو پھر طے ہے وہ اسکیم"؟
منصور۔ "بالکل"!
شاہد۔ "پکڑے جانے کا ڈر تو نہیں"۔
جاوید۔ "پکڑے جانے کا سوال ہی نہیں۔ آج تک اس کے کپڑے کسی نے دیکھے ہی نہیں۔ جب سے آیا ہے ایک ہی جوڑا رگڑے جا رہا ہے مگر باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم دس سوٹ ہیں اس کے پاس"۔
منصور۔ (میز پر سے سوئی دھاگا اور کپڑے کا وہ ٹیپ اٹھا کر دکھاتا ہے جس پر انگریزی کے حروف لکھے ہوئے ہیں)
"یہ دیکھو، سب کے نام کے حروف لے آیا ہوں، جلدی جلدی ٹانک دیں، یہ ثبوت ہوگا کہ کپڑے ہمارے نہیں کل سب ہم کو پہنے ہوئے بھی دیکھ لیں گے"۔
شاہد۔ "مزا آجائے گا یار۔ کل جلسے میں ہم سب نئے کپڑے پہنے ہوں گے۔ بچو جی کا سوٹ کیس ہمارے اس دن کے پیٹ کی طرح خالی ہوگا"۔ (زاہد آتا ہے)
زاہد۔ "بچو جی تو خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں"۔
امجد۔ "بھئی یہ سب کیا ہو رہا ہے"؟
منصور۔ "تم گواہ ہو، جب پوچھ گچھ ہوگی تو تمھیں گواہی دینی ہوگی کہ کپڑے ہمارے ہیں"۔
امجد۔ "کیسی گواہی؟ (جماہی لیتا ہے) مجھے نیند آرہی ہے خدا کے لیے جانے دو۔ سَر آگئے تو پتہ چلے گا۔
منصور۔ "سَر ایک دفعہ راؤنڈ لگا کر چلے گئے، اب نہیں آئیں گے"۔
جاوید۔ "بھئی روشنی تو بند کرنی چاہیئے"۔ (ٹیبل لیمپ لگا کر، میز پوش اس پر ڈال دیتا ہے کمرے کی بتی بند کر دیتا ہے)
زاہد۔ "تو سمجھ گئے مُلا جی۔ کچھ کپڑے تم غور سے دیکھ لینا اور بات میں گواہی دینا کہ یہ ہمارے ہیں، کئی سال سے تم انھیں ہمارے پاس دیکھ رہے ہو"۔

کائناتی شعاعیں

نیّر ابدالی

آپ نے اکثر پڑھا ہوگا کہ امریکہ نے اپنا ایک مصنوعی سیّارہ خلا میں بھیجا ہے یا روس اپنا مصنوعی سیّارہ خلا میں بھیجنے والا ہے۔ اسی طرح چند ماہ پہلے آپ لوگوں نے یہ خبر بھی پڑھی ہوگی کہ ۱۹۸۸ء میں پاکستان بھی خلا میں مصنوعی سیّارے بھیجنے والے ممالک کی صف میں شامل ہو جائے گا۔

دوسرے ممالک میں ہونے والے کرکٹ، ہاکی، ٹینس اور دیگر مقابلوں کو آپ میں سے تقریباً سب نے ہی ٹی وی پر دیکھا ہوگا۔ یہ مقابلے بھی اُن ہی مصنوعی سیّاروں کے ذریعے جنھیں "سٹیلائٹ" کہا جاتا ہے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک یا ایک برِّاعظم سے دوسرے برِّاعظم میں دکھائے جاتے ہیں۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ یہ مصنوعی سیّارے خلا میں کیوں بھیجے جاتے ہیں؟ کیا خلا میں ان سیّاروں کے لیے کوئی پلیٹ فارم وغیرہ موجود ہے؟

یا ان خلائی سیّاروں پر لاگت کتنی آتی ہے؟

دراصل یہ مصنوعی سیّارے مختلف مقاصد کے لیے خلا میں بھیجے جاتے ہیں۔ ان پر اربوں روپے کی لاگت آتی ہے۔

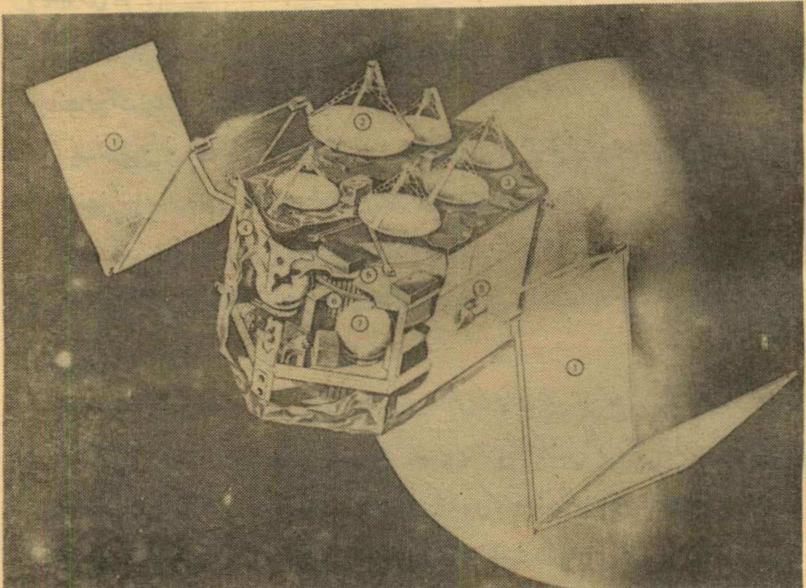

خلا میں ان مصنوعی سیّاروں کے لیے کوئی پلیٹ فارم نہیں ہوتا بلکہ یہ خلا میں معلق رہتے ہوئے اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں۔ ان مصنوعی سیّاروں میں ایسے قیمتی آلات نصب ہوتے ہیں جو ہمیں خلا اور نظامِ شمسی میں واقع دوسرے ستاروں اور سیّاروں کی بناوٹ، فاصلہ، زندگی کا تناسب، موسم، موسمیاتی تغیر اور زمین میں موجود معدنیات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ زیادہ تر مصنوعی سیّارے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں کائناتی شعاعیں یا کاسمک ریز" کا سراغ لگانے والے آلات بھی نصب ہوتے ہیں۔ اب ممکن ہے آپ پوچھیں کہ یہ کائناتی شعاعیں یا کاسمک ریز کیا ہوتی ہیں؛

درحقیقت یہ کائنات کے اُن پُراسرار رازوں میں سے ایک راز ہے جو تا حال بنی نوعِ انسان کے لیے مُعمّہ بنا ہوا ہے۔ اِن پُراسرار شعاعوں کا پتا بھی اُس وقت چلا جب آج سے ساٹھ سال پہلے امریکہ کے سائنسدان ایک تجربہ کر رہے تھے۔ اس تجربے کے دوران وہ ایک حیران کُن واقعے سے دوچار ہوئے۔

ہُوا یہ کہ وہ سائنسدان ایک بند کنٹینر کے اندر ہَوا کے نمُونوں پر تجربہ کر رہے تھے اس دوران انھوں نے اس ہَوا میں برقی ایصالیت (CONDUCTIVITY) محسوس کی۔ اس کی تصدیق کرنے کے لیے انھوں نے کنٹینر کو موٹی تہہ والی شیلڈ سے ڈھک دیا مگر اس کے باوجود کنٹینر میں برقی ایصالیت موجود رہی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تابکار شعاعیں جو برقی ایصالیت پیدا کرنے کا سبب بنیں وہ اس وقت بھی اس میں سے گزر رہی تھیں۔ اس سوال کے جواب کے لیے کہ یہ تابکار شعاعیں کہاں سے آتی ہیں بہت سے تجربات کیے جاتے رہے۔ ان تجربات کے بعد صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ یہ شعاعیں زمین سے خارج نہیں ہوتی ہیں اور نہ ہی ان کا اخراج سورج سے ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ یہ شعاعیں دن ہو یا رات ہر وقت اپنا سفر کرتی رہتی ہیں۔

ایک اور حیران کُن بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ بہت زیادہ بلندی اور انتہائی گہرائی میں بھی ان شعاعوں کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ گویا پورا کرّۂ ارض مسلسل ان شعاعوں کے " نرغے " میں ہے۔

ان کاسمک ریز کے بارے میں تجربات کے ذریعے معلوم ہوا کہ یہ ایٹمی ذرّے ہیں۔ یہ ایٹمی ذرّے زمین کے بیرونی ماحول یعنی خلا میں روشنی کی رفتار سے ہر وقت سفر کرتے رہتے ہیں۔ یاد رہے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہوتی ہے۔

ان میں سے جو ایٹمی ذرّے زمین کے فضائی ماحول میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کو پرائمری کاسمک ریز" کہا جاتا ہے۔ کرّۂ ارض کے اطراف میں موجود ہَوا کے ایٹموں سے جب یہ پرائمری کاسمک ریز ٹکراتی ہیں تو مزید نئے ایٹمی ذرّے وجود میں آجاتے ہیں۔ نئے وجود میں آنے والے ذرّوں کو سیکنڈری کاسمک ریز کہا جاتا ہے۔ یہ سیکنڈری ریز بھی اُسی طرف اپنا سفر شروع کر دیتی ہیں جس طرف پرائمری ریز کا رُخ ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ذرّے مزید ایٹموں سے

ٹکراتے چلے جاتے ہیں جن سے مزید نئے ذرّے وجود میں آتے چلے جاتے ہیں۔ اس مسلسل عمل کے نتیجے میں تابکاری کی ایک مُسلسل بارش زمین پر برسنے لگتی ہے۔

خلا سے "بِن بُلائے" آنے والی اِن شعاعوں کا ایک چھوٹا سا حصّہ اتنی تابکاری پیدا کرتا ہے جو زمین کے نوّے مربع میٹر رقبے کو ڈھانپ دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

ان ساری باتوں کے باوجود ایک بات بہرحال قابلِ اطمینان ہے اور وہ یہ کہ یہ شعاعیں زمین پر موجود چرند پرند نباتات اور انسان کے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہیں، کیونکہ یہ شعاعیں آج سے نہیں بلکہ کھربوں سال سے یہاں موجود ہیں۔

آج سائنس نے اتنی ترقّی کر لی ہے کہ عام انسانی ذہن جس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ خلا میں لاکھوں میل دُور واقع چاند پر انسان کے قدم پہنچ گئے ہیں اور اب وہ اس سے آگے جانے کے لیے پَر تول رہا ہے۔ ہزاروں میل دُور کے مناظر ہم گھر بیٹھے دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح ہزاروں میل دور کہی گئی بات بھی ہم فوراً سُن لیتے ہیں مگر پھر بھی یہ راز اب تک راز ہی ہے کہ ان کائناتی شعاعوں یعنی کاسمک ریز کی ابتدا کہاں سے اور کیوں ہوتی ہے!

جس طرح آج کا انسان خلا کو فتح کر چکا ہے اسی طرح ایک نہ ایک دن وہ اِن پُر اسرار شعاعوں کا راز بھی حل کرے گا۔

آنکھ مچولی کا ایک اور نیا مُفید سلسلہ

مجھے اَبوّ سے شکایت ہے

اَبوّ مجھے جیب خرچ نہیں دیتے

وہ مجھے کھیلتا دیکھ کر ڈانٹتے ہیں۔

وہ دوسرے بچّوں سے پیار کرتے ہیں اور مجھے نظرانداز کر دیتے ہیں

یہ اور اس طرح کی دوسری شکایتیں کسی بچّے کو بھی — اپنے اَبوّ سے ہو سکتی ہیں۔

کیا آپ کو بھی اپنے اَبوّ سے کوئی شکایت ہے؟ اگر ہے تو ہمیں لکھ بھیجیے؛

آپ کی شکایت معقول اور مُختصر ہونی چاہیے

اگر آپ اپنا نام شائع نہ کرانا چاہیں تو ہمیں اس سے بھی مطلع کیجیے۔

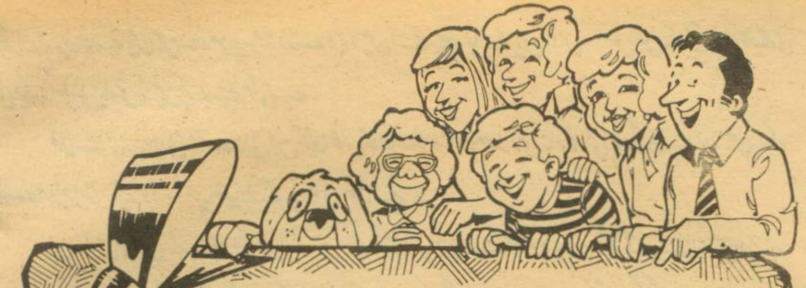

بہت جلد آنکھ مچولی کا قہقہہ نمبر

شائع ہونے والا ہے

جس میں

مایہ ناز مزاح نگاروں کی نگارشات سے مرصع

★ ہنسنے ہنسانے والی کہانیاں ★ منہ چڑاتے کارٹون ★ گدگداتی نظمیں قہقہہ بار لطیفے ★ مزیدار کالم ★ شگفتہ تصویریں اور ایسی چٹ پٹی تحریریں شامل ہوں گی، جو ذہن کو ہلکا پھلکا اور تروتازہ کردیتی ہیں۔

اردو کے مزاحیہ ادب کا عطر

..... لیکن "قہقہہ نمبر" کیلئے کچھ آپ بھی تو لکھیے!

کوئی دلچسپ واقعہ، چلبلی شرارت، مزاحیہ نظم یا کوئی بھی ہنستی مسکراتی گدگداتی تحریر،

ہر قابلِ اشاعت تحریر کا معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

پتا: قہقہہ نمبر ماہنامہ "آنکھ مچولی" ڈی۔ ۱۱۲ نورس روڈ سائٹ، کراچی ۱۶

بچّوں کے ٹی وی پروگرام

ایک تجزیاتی تبصرہ

شاہ نواز فاروقی

بچّے قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہر معاشرے کی یہ خواہش و کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچّوں کی ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کی ترقی کے لیے بہتر سے بہتر مواقع پیدا کرے تاکہ بچّوں میں کردار وعمل کی وہ تمام صفات پیدا ہو سکیں جو زندہ قوموں کی نشانیاں سمجھی جاتی ہیں اور جن سے معاشرے میں امن وسکون اور محبت و اخوّت کے جذبات فروغ پاتے ہیں اور افراد کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔

جدید دور میں بچّوں کی تعلیم وتربیت کے ضمن میں خاندان اور تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ، جیسے ریڈیو، ٹی وی، فلم اور اخبارات ورسائل نے بھی بہت اہمیت اختیار کر لی ہے --- خاص طور پر ٹی وی نے --- چنانچہ دنیا کے تمام ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملک ٹی وی کو بچّوں کی ذہنی نشوونما اور انھیں جدید دور کے تقاضوں سے متعارف کرنے کے لیے بڑی کامیابی سے استعمال کر رہے ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ٹی وی کو بچّوں کی تعلیم وتربیت کے ضمن میں مؤثر طریقے سے استعمال نہیں کیا گیا۔ اس وقت پاکستان ٹیلی وژن سے بچّوں کے لیے جو پروگرامات پیش کیے جا رہے ہیں، اُن سے بچّوں میں تجسّس، فکر اور عمل کی تحریک پیدا نہیں ہوتی یا ہوتی بھی ہے تو ناقابلِ ذکر۔

اس وقت ٹی وی سے بچّوں کے لیے جو پروگرامات پیش کیے جا رہے ہیں اُن میں سے اکثر اپنی نوعیت کے اعتبار سے معلوماتی اور تفریحی ہیں، لیکن ان پروگراموں کے ذریعے فراہم کی جانے والی معلومات بہت سطحی اور تفریح غیر معیاری ہوتی ہے بلکہ بچّوں کے اکثر پروگرامات دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ بس کام چلانے کی کوشش کی گئی ہے

یہ بات ہم پاکستان جیسے وسائل اور مسائل رکھنے والے ممالک کے بچّوں کے لیے پیش کیے جانے والے ٹی وی پروگراموں کو پیشِ نظر رکھ کر کہہ رہے ہیں۔

مثال کے طور پر پشاور سینٹر سے پیش کیا جانے والا پروگرام "کھیل پھلواری" اور کوئٹہ سینٹر سے نشر کیا جانے والا پروگرام "ا، ب، پ" اپنی نوعیت کے اعتبار سے معلوماتی پروگرام ہیں۔ مگر ان پروگراموں میں جو معلومات بچّوں کو فراہم کی جاتی ہیں وہ بہت سطحی اور بچّوں کی ذہنی نشوونما اور ان کے مستقبل کے حوالے سے بڑی حد تک غیر مفید ہوتی ہیں۔ مثلاً ۲۲ دسمبر کو کوئٹہ سینٹر سے پیش کیے جانے والے پروگرام ا، ب، پ میں صنوبر کے درخت کے بارے میں دو بچیوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کے ذریعے سے معلومات فراہم کی گئیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اتنے وقت میں کسی جدید سائنسی ایجاد یا دریافت کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتیں۔ اسی طرح کھیل پھلواری میں اسکولوں میں کھیلے جانے والے عام حسابی کھیلوں اور چارٹ پر بنی ہوئی مختلف تصاویر کی پہچان جیسے آئٹم پیش کیے جاتے ہیں جن سے بچّوں میں نہ تو غور و فکر اور تجسّس کے پیدا ہونے کا امکان ہے اور نہ ہی اُن کی تخلیقی صلاحیتوں کے بیدار ہونے کی امید۔

البتہ بچّوں کے لیے کراچی سینٹر سے پیش کیا جانے والا پروگرام "ہونہار" اپنے موضوعات کے تنوّع، بہتر اسکرپٹ عمدہ سیٹ، ڈیزائن اور اندازِ پیشکش کے اعتبار سے بچوں کے دیگر پروگراموں کے مقابلے پر کہیں بہتر پروگرام ہے۔ گرچہ اس پروگرام کو دیکھ کر بھی کبھی کبھی یہ احساس ہوتا ہے کہ اس میں شریک ہونے والے ذہین بچّے کسی "سفارش" کی بنیاد پر پروگرام میں شریک کر لیے گئے ہیں۔ اگر اس پروگرام میں مہمان کے طور پر ملک کے ممتاز سائنس دانوں، شاعروں اور ادیبوں کو کھلاڑیوں وغیرہ کے مقابلے پر زیادہ بلایا جائے تو یہ پروگرام مزید مفید ہو سکتا ہے۔

لاہور ٹی وی سے اس وقت بچّوں کے لیے ایک ڈرامہ سیریل "عالی پر کیا گزری؟" کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے۔ جو سبق آموز تو ہے مگر اثر انگیز نہیں۔ اس کی وجہ ڈرامے کا مشکل اور بچّوں کے لحاظ سے غیر فطری اسکرپٹ

ڈرامے کے مرکزی بچّہ کرداروں کی اوور ایکٹنگ اور غیر فطری سیٹ ہیں، مثلاً ۲۳ دسمبر کو پیش کی جانے والی قسط میں ڈرامے کا ایک بچّہ کردار اس طرح کے کئی مکالمے بولتا نظر آیا "اگر انھیں مر ہی جانا ہوتا ہے تو وہ ہمیں پیدا ہی کیوں کرتے ہیں؟" یعنی ماں باپ --- اسی طرح اس قسط میں ریلوے اسٹیشن کے طویل مناظر کے لیے لگائے گئے سیٹ اس قدر مصنوعی تھے کہ صاف پتا چل رہا تھا کہ دو تپائیاں اور ریل کی پٹڑی نما دو لکڑیاں ڈال کر سین فلمائے گئے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس طرح کی بہت سی چھوٹی چھوٹی فنی خامیاں ڈرامے کے مجموعی تاثر کو خراب کر دیتی ہیں اور یوں ڈرامہ بچّوں کے اذہان پر گہرا اثر چھوڑنے میں ناکام رہتا ہے۔ پھر ویسے بھی آج کل کے بچّے ہر چیز پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں، چنانچہ اگر انھیں کوئی خامی نظر آجائے تو وہ اس کو بڑوں سے زیادہ مذاق کا موضوع بنا دیتے ہیں۔

بچّوں کے لیے خالص تفریحی پروگراموں میں کارٹون میگزین اور انگریزی فلم "ویبسٹر" شامل ہیں۔ بلاشبہ یہ دونوں پروگرام بے حد دلچسپ ہوتے ہیں۔ مگر اس ضمن میں ایک بات ------ اور وہ یہ کہ کارٹون میگزین میں صرف کارٹونوں کی حرکتیں ہی ہمارے بچّوں کے لیے تفریح کا سامان ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہمارے ۹۹٫۹ فیصد بچّے ان کارٹون کی زبان نہیں سمجھ پاتے۔ چنانچہ اُن کے لیے یہ تفریح بھی ادھوری ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہی صورتِ حال ویبسٹر اور دیگر انگریزی پروگراموں کے ساتھ ہے۔ جو معیاری ہونے کے باوجود ہمارے بچّوں کے لیے تصویری حرکات کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ٹیلی وژن جو پچھلے کئی برسوں سے ۳۰، ۴۰ کروڑ روپے سے زیادہ منافع کما رہا ہے بچّوں کے ان انگریزی پروگراموں کو اُردو میں ڈب کر کے پیش کرے۔

بچّوں کے ٹی وی پروگراموں پر تبصرے کے حوالے سے ایک ایسی حقیقت بھی ہم پر ظاہر ہوئی جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں دو فیصد سے بھی کم لوگ انگریزی سمجھنے کے قابل ہوں، وہاں بچّوں کے پروگراموں کے کل وقت کا ۴۰٫۴۸ فیصد وقت انگریزی پروگراموں کو دیا جا رہا ہے اور اردو پروگراموں کو کل وقت کا صرف ۹۹٫۲ فیصد وقت عنایت کیا جا رہا ہے۔ یعنی بچّوں کے پروگراموں

کے لیے مختص وقت کا بہت بڑا حصّہ انگریزی پروگراموں پر صرف کیا جارہا ہے جو ظاہر ہے کہ قومی وسائل کا بہت ہی غیر ہمدردانہ استعمال ہے۔ ہمارے خیال میں اس صورتِ حال کو تبدیل ہونا چاہیئے اور بچوں کے اُردو پروگراموں کو ان کا جائز قومی وقت ملنا چاہیئے۔

انگریزی پروگراموں کو اس قدر زیادہ وقت دینا اس اعتبار سے بھی مناسب نہیں کہ یہ۔۔۔ پروگرام جس طبقے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں، اُس طبقے کے پاس وی سی آر اور دلچسپ انگریزی پروگراموں کی سہولتیں موجود ہیں جوان سبق آموز فلموں کے مقابلے میں اس طبقے کے لیے کہیں زیادہ پُرکشش ہوتی ہیں۔

تجاویز | اب ہم ذیل میں بچّوں کے پروگراموں کو مزید بہتر اور مؤثر بنانے کے لیے چند تجاویز پیش کر رہے ہیں اُمید ہے کہ ٹی وی کے بااختیار افراد ہماری ان تجاویز پر بچّوں کے وسیع حلقۂ ناظرین کے مفادات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہمدردانہ غور کریں گے۔

(۱) عظیم مُسلم مفکّرین، مصلحین اور فاتحین کے کارناموں کو ڈراموں یا کسی اور مؤثر انداز میں پیش کیا جائے۔

(۲) دنیا کے مختلف ممالک میں کھیلے جانے والے بچّوں کے مختلف کھیلوں کے بارے میں پروگرام پیش کیا جاسکتا ہے جو بچّوں کے لیے دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ معلوماتی بھی ہوگا۔

(۳) اپنے ملک اور دنیا کے دیگر ممالک کے غیر معمولی صلاحیت رکھنے والے بچّوں پر پروگرام پیش کیا جاسکتا ہے جس سے ہمارے بچّوں میں کچھ کرنے کی تحریک پیدا ہوگی۔

(۴) سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں ہونے والی ترقی سے بچّوں کو آگاہ رکھنے کے لیے جدید ترین ایجادات و اختراعات کے تعارف پر مبنی پروگرام پیش کیا جاسکتا ہے۔

(۵) بچّوں کے عالمی ادب کے شاہکاروں کو اردو میں منتقل کر کے ڈراموں کی صورت میں پیش۔۔۔ کیا جاسکتا ہے

(۶) ہمارے خیال میں ایک ایسا پروگرام بھی شروع کیا جاسکتا ہے جس میں ملک کے مختلف معاشی طبقات سے تعلق رکھنے والے بچّوں کے مسائل کو موضوع بنایا جائے۔ مثلاً بچّوں کو والدین، اساتذہ کرام، اپنے بڑے بھائی بہنوں اور دوستوں سے کس قسم کی شکایات ہیں اور وہ ان افراد سے کس رویّے کی توقع کرتے ہیں؟

(۷) بچّوں کے لیے ایک ایسے مذہبی پروگرام کی بھی سخت ضرورت ہے جس میں چھوٹے بڑے دینی احکام جیسے نماز، روزہ اور عام اخلاقی اقدار جیسے بڑوں چھوٹوں کے ساتھ سلوک سے بچّوں کو متعارف کرایا جائے۔

(۸) بچّوں کے لیے پیش کیے جانے والے انگریزی پروگراموں کی تعداد اور وقت کم کیا جائے یا پھر انھیں لازماً اردو میں ڈب کرکے پیش کیا جائے۔

کلیم چغتائی

گڈ مارننگ

دفتر میں نئے ڈائرکٹر صاحب کیا آئے تھے کہ دفتر کا رنگ ہی بدل گیا تھا: نئے ڈائرکٹر صاحب کو آئے ابھی مہینہ بھر ہی ہوا تھا لیکن اس عرصہ میں اسٹاف کے بیشتر لوگ شلوار قمیض چھوڑ کر پتلون قمیض پہننے لگے تھے۔ کئی صاحبان تو سخت گرمی میں بھی سوٹ چڑھائے گلے میں ٹائی پھنسائے چلے آتے۔ دفتر کے بہت سے لوگ پہلے نماز کے پابند تھے لیکن اب گنتی کے چند افراد ہی ظہر کی نماز کے لئے مسجد کی طرف جاتے نظر آتے۔ پہلے گفتگو میں اللہ رسول کا نام آجاتا تھا

لیکن اب تو تازہ ترین انگریزی فلموں پر تبصرے ہوتے تھے۔

دفتر میں اچانک تبدیلی کا واحد سبب نئے ڈائرکٹر صاحب تھے۔ جو سر سے پیر تک مغربی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ سر پر ہیٹ لگائے، سوٹ پہنے اور گلے میں ٹائی باندھے وہ دفتر آتے۔ گفتگو میں آدھے سے زیادہ الفاظ انگریزی کے استعمال کرتے دوپہر کے کھانے میں سینڈوچ کھاتے۔ انگریزی فلموں پر تبصرہ کرنا بہت پسند کرتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی تقریباً پورا اسٹاف ان کے رنگ میں رنگ گیا تھا۔ ان سے پہلے جو ڈائرکٹر صاحب تھے، وہ مذہبی آدمی تھے۔ نماز باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ شلوار قمیض میں بھی آجاتے تھے اس لئے ان کے دور میں دفتر کا ماحول خاصا شریفانہ تھا۔

ہاشمی صاحب محسوس کر رہے تھے کہ ان کے اور ڈائرکٹر صاحب کے درمیان کشیدگی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ ڈائرکٹر صاحب صبح جب ان کے کمرے کے سامنے سے گزرے اور ہاشمی صاحب کھڑے ہوکر انہیں السلام علیکم کہتے تو وہ دیکھتے کہ ڈائرکٹر صاحب کی بھنویں تن گئی ہیں اور ان کے چہرے سے ایسا ظاہر ہوتا کہ وہ اپنا غصہ ضبط کر رہے ہیں۔ اس عالم میں وہ محض سر کے اشارے سے سلام کا جواب دے کر گزر جاتے۔ ذرا دیر بعد وہ کسی نہ کسی بہانے سے ہاشمی صاحب کو اپنے کمرے میں بلا کر کسی مسئلے پر زبردست ڈانٹ پلاتے۔ ہاشمی صاحب ڈائرکٹر صاحب کے کمرے سے سر جھکائے ہوئے نکلتے تو بہت سے لوگ ہمدردانہ نظروں سے ان کو دیکھ کر رہ جاتے۔ وہ اپنی میز پر آکر بیٹھ جاتے تو حبیب صاحب لپک کر چلے آتے۔

"ارے یار، میں نے تم سے کہا ہے کہ یہ سلام دعا کا چکر چھوڑ دو، تم سے ذرا سی گڈ مارننگ نہیں کہی جاتی"۔

"میں کیا کروں حبیب صاحب! کتنی بار کوشش کی لیکن اچھا نہیں لگا کہ اپنے رسول کی سنّت کو چھوڑ کر انگریزوں کی عادت اپناؤں"۔

"بھئی صرف دفتر میں ڈائرکٹر صاحب کو گڈ مارننگ کرلیا کرو، باقی ہر جگہ اپنا پسندیدہ سلام چلانا۔" حبیب صاحب ناراض ہوکر کہتے۔

"کوشش کروں گا، مجھ سے بولا نہیں جاتا۔ گڈ مارننگ حلق میں اٹک کر رہ جاتا ہے"۔ ہاشمی صاحب بے چارگی سے کہہ اُٹھتے۔

سال ختم ہونے والا تھا۔ نئے سال کے آغاز پر دفتر کے تمام کارکنوں کو سالانہ ترقیاں دی جاتی تھیں۔ دفتر بھر میں ارسلان کی ترقی ہوجانے کی افواہ گرم تھی۔ وہ ڈائرکٹر صاحب کو بڑے ادب سے گڈ مارننگ کہتا تھا۔ لوگ آ آکر اسے پیشگی مبارکباد دے رہے تھے اور وہ بڑے انکسار سے "تھینک یو تھینک یو" کہہ رہا تھا۔

ہاشمی صاحب کے لئے یہ لمحات بڑے کٹھن تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ دفتر آنا چھوڑ دیں۔ ڈائرکٹر صاحب سے ان کا سامنا ہو جاتا تو وہ نظریں نیچی کئے بیٹھے رہ جاتے۔ ڈائرکٹر صاحب بھی شاید ان سے بالکل بیزار ہو چکے تھے۔ روزانہ دو تین بار ہاشمی صاحب کو اپنے کمرے میں بلا کر ڈانٹنا ان کا معمول بن چکا تھا۔ ہاشمی صاحب شدید اعصابی دباؤ کا شکار تھے ہر وقت انہیں ایسا لگتا جیسے سر پر کچے دھاگے سے بندھی ہوئی تلوار لٹک رہی ہے۔ ان کی بیٹیوں نے بھی ان کی اس بدلی ہوئی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا لیکن بیوی کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ ٹال گئے تھے۔

---o---

اس روز ہاشمی صاحب دفتر جانے کے لئے گھر سے نکلے تو ان کا چہرہ بڑا ہشاش بشاش تھا۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ ان کے ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ بڑے خوشگوار موڈ میں دفتر پہنچے راستے میں نہ انہیں بس کے بھرے ہونے کا احساس ہوا، نہ ان صاحب پر انہیں غصہ آیا جو انہیں بھری ہوئی بس میں بھی ٹھاٹ سے سگریٹ کے کش لگا کر ٹھیک ان کے منہ پر دھواں چھوڑ رہے تھے اور نہ اس سائیکل سوار کو بُرا بھلا کہا جو بس اسٹاف پر انہیں تقریباً ٹکر مارتا ہوا نکل گیا تھا۔ حالانکہ پچھلے دنوں انہیں ذرا سی بات پر غصہ آجاتا تھا۔

دفتر پہنچ کر وہ اپنی کرسی پر جا کر بیٹھے ہی تھے کہ چپراسی نے اطلاع دی۔

"صاحب بلا رہے ہیں آپ کو۔"

"اچھا ابھی آرہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بڑے اطمینان سے اُٹھے اور ڈائرکٹر صاحب کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

"السلام علیکم جناب" انہوں نے بڑے اخلاق سے ڈائرکٹر صاحب کو سلام کیا۔

ڈائرکٹر صاحب کا موڈ شاید صبح ہی سے خراب تھا۔ انہوں نے ہاشمی صاحب کے سلام کے جواب میں سر تک نہ ہلایا بلکہ انہیں سخت نظروں سے گھورنے لگے۔

ہاشمی صاحب اطمینان سے کھڑے ہوئے تھے۔ جیسے ڈائرکٹر صاحب انہیں نہیں بلکہ کسی اور کو غصہ بھری نظروں سے گھور رہے ہوں۔ ڈائرکٹر صاحب منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائے۔ انہوں نے میز پر رکھی ایک درخواست پر نظر دوڑائی اور پھر اسے توڑ مروڑ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دی۔ وہ چند لمحوں تک ہاشمی صاحب کو گھورتے رہے اور پھر جیسے پھٹ پڑے۔

"آپ خود کو کیا سمجھتے ہیں۔؟"

"جی میں سمجھا نہیں"

"یوزمت کیجئے خود کو، میں کہتا ہوں آپ کب تک کرتے رہیں گے اس طرح؟"

" میں اب تک نہیں سمجھا جناب "؟

" یہی آپ کا اسلام اسلام۔ آپ کو پتا نہیں کہ دفتر کے کچھ قاعدے ہوتے ہیں "

مجھ سے کیا غلطی ہوگئی جناب "؟

" جناب!" ڈائرکٹر صاحب نے چڑ کر ہاشمی صاحب کی نقل اتاری "یہ سر کہتے ہوئے آپ کو برا لگتا ہے۔ مائنڈ اٹ، آپ ذرا اپنا اسٹائل چینج کریں ورنہ ......"

" اور۔ اگر آپ کی بات ماننے سے انکار کردوں تو۔؟ " ہاشمی صاحب نے اسی اطمینان سے پوچھا۔

ڈائرکٹر صاحب کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا۔ ان کی مٹھیاں کھلنے اور بند ہونے لگیں اور ماتھے پر بل پڑگئے۔ ان سے کبھی کسی نے اتنی جرأت سے بات نہ کی تھی۔ ان کا خون کھول رہا تھا اور ان کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ ہاشمی صاحب کو شاید گولی مار دیتے۔

ہاشمی صاحب اسی سکون سے کھڑے رہے۔ آخر انہوں نے خاموشی کو توڑتے ہوئے ادب سے پوچھا " مجھے جانے کی اجازت ہے جناب؟ "

ڈائرکٹر صاحب نے انہیں بڑی حیرت سے دیکھا، پھر ان کا تنا ہوا چہرہ آہستہ آہستہ معمول پر آگیا۔ چند لمحوں تک وہ ہاشمی صاحب کو غور سے دیکھتے اور اپنی انگلیوں سے میز کو بجاتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا۔

" کیا آپ کو کسی اور دفتر میں جاب مل گئی ہے "؟

" جی نہیں "

" کیا آپ نے اپنا بزنس شروع کردیا ہے۔

" جی نہیں! "

" یو نو۔ میں آپ کو نوکری سے نکال بھی سکتا ہوں۔ "

" جی ہاں "

آپ میریڈ (شادی شدہ) ہیں؟ "

" جی ہاں "

" کتنے بچے ہیں آپ کے؟ "

" تین "

" آپ کو یہ بھی خیال نہیں آیا کہ اگر آپ کو ڈسمس کردیا گیا تو آپ کے بچوں کا کیا بنے گا۔؟ "

"جناب رزق دینے والی ذات تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو کسی اور ذریعہ سے رزق دے گا۔"

"آئی سی!" ڈائرکٹر صاحب نے گہرا سانس لیا۔ اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر پھر وہ بولے۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ میں اتنی بہادری کیسے پیدا ہو گئی۔ میرا خیال ہے آپ پہلے تو بڑے شائی (شرمیلے) ہوتے تھے۔"

"جی ہاں جناب، کل تک میں بے حد گھبرایا ہوا اور سخت پریشان تھا لیکن آج میں بالکل مطمئن اور پُرسکون ہوں۔"

"حیرت ہے"

"میرے اس اطمینان کا سبب میری اہلیہ ہیں۔ ہوا یہ کہ کل رات میں جب سونے کے لئے بستر پر لیٹ گیا تو میری اہلیہ بچوں کو کہانی سنا رہی تھی۔ وہ ہر رات سونے سے پہلے بچوں کو ایک کہانی سناتی ہیں۔ بچے بھی کہانی سنے بغیر سوتے نہیں ہیں۔ میں حالانکہ دفتر کی آئے دن کی کشیدگی سے سخت پریشان تھا لیکن لیٹے لیٹے میں نے بھی کہانی کی طرف کان لگا دیئے۔ میری اہلیہ نے جو کہانی سنائی، اس سے میری دنیا بدل گئی۔ میں نے اپنے اندر ایک زبردست قوت محسوس کی۔ ایسا لگا جیسے ساری فکریں سارے اندیشے دور ہو گئے۔"

"اچھا کونسی اسٹوری تھی بھئی ہم بھی سنیں۔ آپ بیٹھیں نا۔ بی ایزی" (آرام سے بیٹھیں) ڈائرکٹر صاحب بھی دلچسپی لینے لگے۔

"کہانی یہ تھی جناب کہ ہارون رشید کا تو آپ نے نام سنا ہی ہوگا۔"

"یس یس! ہی واز اے مسلم رولر" (وہ ایک مسلمان حکمران تھے)۔

"جی ہاں۔ وہ بہت بڑی مملکت کے بادشاہ تھے۔ بغداد میں ان کے ایک قاضی تھے۔" قاضی عافیہ"۔

"قاضی؟ اچھا جج؟"

"جی ہاں، جج۔ وہ حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔ کچھ لوگوں نے خلیفہ ہارون رشید سے قاضی عافیہ کی شکایت کی کہ قاضی صاحب مقدمات کے فیصلے کرتے ہوئے کسی کی خواہ مخواہ طرفداری کرتے ہیں۔ ہارون رشید نے قاضی صاحب کو بلوایا۔ قاضی صاحب دربار میں پہنچے۔ ابھی خلیفہ نے لوگوں کی شکایت کے بارے میں قاضی صاحب سے کوئی بات کی بھی نہیں تھی کہ خلیفہ کو زوردار چھینک آئی۔ ان کا چھینکنا تھا کہ سارا دربار یرحمک اللہ یرحمک اللہ سے گونج اٹھا۔ جناب آپ کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب چھینک آئے تو چھینکنے والے کو الحمدللہ کہنا چاہیے اور جو شخص اس الحمدللہ کو سنے اسے کہنا چاہیے۔ یرحمک اللہ" یعنی آپ

پر اللہ کی رحمت ہو۔ تو جناب سارا دربار "یرحمک اللہ" کی آوازوں سے گونج اٹھا لیکن قاضی صاحب خاموش بیٹھے رہے۔

"کیوں؟" ڈائرکٹر صاحب نے پوچھا۔

"ہارون رشید نے بھی قاضی صاحب سے یہی پوچھا تھا کہ آپ نے 'یرحمک اللہ' کیوں نہیں کہا۔

قاضی صاحب نے جواب دیا "آپ نے الحمدللہ کب کہا تھا۔؟ پھر قاضی صاحب نے خلیفہ کو حضور کی ایک حدیث سنادی کہ رسول اکرمؐ کی مجلس میں دو صحابیوںؓ کو چھینک آئی۔ ایک صحابی نے   نے یرحمک اللہ کہا لیکن دوسرے صحابیؓ نے نہیں کہا۔ دوسرے صحابیؓ نے پوچھا، آپؐ نے مجھے دعا کیوں نہیں دی؟" حضور نے فرمایا "پہلے صحابیؓ نے الحمدللہ کہا تھا۔ آپ نے نہیں کہا اس لئے میں نے بھی یرحمک اللہ نہیں کہا۔"

"گڈ" ڈائرکٹر صاحب بولے۔

"آپ سوچیئے جناب۔ اتنی بڑی مملکت کا حکمران۔ یہاں تو لوگ معمولی پولیس انسپکٹر کے سامنے گڑگڑانے لگتے ہیں کوئی وزیر یا چھوٹے ملک کا صدر آجائے تو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن قاضی صاحب بالکل نہیں ڈرے۔ ان کے بھی شاید بیوی بچے ہوں گے بادشاہ انہیں سخت ترین سزا دے سکتا تھا لیکن انہوں نے جس بات کو صحیح سمجھا تھا اسی پر قائم رہے۔"

"آئی سی۔ پھر قاضی صاحب کو ہارون نے جیل میں ڈال دیا ہوگا؟" ڈائرکٹر صاحب نے پوچھا۔

"جی نہیں جناب۔ جن لوگوں نے قاضی صاحب کی شکایت کی تھی ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی اور خلیفہ ہارون نے کہا کہ جو شخص میری چھینک کے ساتھ کسی رعایت پر آمادہ نہیں وہ کسی دوسرے کی غلط طرفداری کیا کرے گا۔ قاضی صاحب پہلے کی طرح عدالت کے جج کے طور پر کام کرتے رہے۔"

"او کے ہاشمی صاحب" ڈائرکٹر صاحب اچانک سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ "اب آپ جائیں مجھے اور کام کرنے ہیں۔"

دفتر کے لوگ سخت حیران تھے۔ ڈائرکٹر صاحب کو پتا نہیں کیا ہوگیا تھا۔ انہوں نے دفتر کے تمام شعبوں کے سربراہوں کو بلا کر کہا تھا کہ آئندہ سے دفتر میں گڈ مارننگ کی جگہ اسلامی طریقے سے السلام علیکم کہا جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک نوٹس جاری کیا تھا جس میں لکھا ہوا تھا کہ ہاشمی صاحب کو ترقی دے کر اسسٹنٹ ڈائرکٹر بنا دیا گیا ہے۔

بستی آنکھ مچولی کی
اوّل انعام یافتہ مضمون

عاصمہ گل

پشاور

شہرِ ہزار داستان

ھر شہر اور ہر علاقہ اپنے مزاج سے پہچانا جاتا ہے۔ کسی شہر کو اُس کی زندہ دِلی سے شہرت ملتی ہے، کسی کو اُس کے رہنے والوں کی شجاعت وجواں مردی سے اور کسی جگہ کو اُس کی تاریخ وروایات سے۔ اس لحاظ سے پشاور شہر اپنی تاریخ و روایات، شجاعت و بہادری اور تجارت کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہاں کے لوگ زندہ دل نہیں۔ یہاں کے لوگ وقت کے ساتھ بدلتے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس شہر کا مزاج بھی بدل گیا ہے۔ اور اب ثقافتی اور سماجی زندگی کے مختلف رُخ سامنے آرہے ہیں۔

پشاور پاکستان کا ایک قدیم شہر ہے۔ پشاور کا ذکر تاریخ میں گندھارا تہذیب کی ریاست کے ایک حصّہ کی صورت میں ملتا ہے۔ اسے سب سے پہلے مسلمان حکمران سُبکتگین نے ہندو حکمرانوں سے چھین کر اپنی ریاست میں شامل کرلیا تھا۔ پشاور کو ۱۹۰۱ء میں مغربی سرحدی صوبے کا دار الحکومت بنایا گیا۔ یہ دریائے باڑہ کے بائیں کنارے پر واقع ہے، پہلے اسے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا رہا، لیکن سارے نام تبدیل ہوتے رہے اور اب اسے پشاور کا نام دے دیا گیا۔ جس کے معنی دستکار کے ہیں۔ پشاور شہر کے گرد حفاظتی طور پر سات دروازے بنائے گئے جو اب بھی موجود ہیں۔ ان میں کوہاٹی

دروازہ، کابلی دروازہ، گنج دروازہ، آسامائی دروازہ، نیو دروازہ، لاہوری دروازہ اور آسیہ دروازہ شامل ہیں۔

شہر کا ایک اہم مرکز چوک یادگار ہے۔ جہاں مختلف قسم کے نیم حکیم اپنی دوائیاں بیچتے نظر آتے ہیں۔ مسجد مہابت خان اس کے نزدیک ہی واقع ہے۔ یہ پشاور کی مشہور تاریخی مسجد ہے۔ جو مغل وزیرِاعظم زمانہ بیگ نے بنائی تھی۔ اُس کا لقب مہابت خان تھا اور اسی وجہ سے اُسے مسجد مہابت خان کہتے ہیں۔ مسجد مہابت خان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سکھوں کے عہدِ حکومت میں روزانہ دو مسلمانوں کو اس کے مینار پر پھانسی دی جاتی تھی۔ پشاور شہر کا تاریخی قلعہ بالاحصار بھی ایک اہم یادگار ہے۔ یہ قلعہ ۱۶ ویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوا۔ قلعہ خیبر اس دور کی یادگار ہے جب سکھوں نے پنجاب سے نکل کر درّۂ خیبر تک اپنی حکومت وسیع کی۔ اس کے علاوہ جمرود کا قلعہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ یہ خیبر روڈ پر واقع ہے اور پشاور سے صرف دس میل دور ہے۔ اس قلعہ کو مشہور سکھ جرنیل ہری سنگھ نلوہ نے بنوایا تھا اور اس کی مڑھی اسی قلعہ کے اندر ہے۔ پشاور شہر کا اہم مرکز قصّہ خوانی، جو کہ یادگار ہے اُس زمانے کی جب لوگ قافلوں کی شکل میں تجارت کے لیے ثمرقند، بخارا، ہرات، کاشغر اور مشہد سے آیا کرتے تھے اور اس بازار میں واقع سرائے میں رُکا کرتے تھے۔ قصّہ خوانی بازار کی کہانی بھی بہت دلچسپ ہے۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں یہاں سرائے بہت ہوتے تھے۔ رات کے وقت جب لوگ اپنے کاموں سے فارغ ہوتے تو قصّہ گو لوگ اُن کو قصّے وغیرہ سُناتے اور اس طرح آہستہ آہستہ اس بازار کا نام قصّہ خوانی پڑ گیا۔ یہ بازار اب بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں پر قراقلی کی ٹوپیاں، تلّے والے جوتے اور بیس کا سامان تیّار ہوتا ہے۔

پشاور شہر کا جدید حصّہ پشاور چھاؤنی ہے۔ پشاور چھاؤنی میں جدید چیزوں کے ساتھ پرانی چیزیں بھی نظر آتی ہیں۔ یعنی یہ جدید و قدیم کا ایک حسین سنگم ہے۔ اس علاقے میں بڑے بڑے بنگلے ہیں۔ اس علاقے کی سڑکیں صاف اور کشادہ ہیں۔ چھاؤنی کی ایک بڑی قدیم عمارت ڈین ہوٹل ہے۔ چھاؤنی کا اپنا بازار ہے۔ مال روڈ کی دکانوں میں قدیم و جدید یعنی سرحد اور یورپ کے سامانوں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ اسی سڑک کے ایک کنارے گرین ہوٹل ہے اور دوسری طرف سرحد کے انگریزی اخبار "خیبر میل" کا دفتر ہے۔

پشاور کے تفریحی مقامات میں ڈیفنس پارک، کمپنی باغ، پردہ باغ اور وارسک ڈیم وغیرہ شامل ہیں۔ ڈیفنس پارک ابھی حال ہی میں قائم ہوا ہے۔ پردہ باغ میں خواتین کا حصّہ الگ ہے اور وارسک کا عظیم بند جو پشاور سے اٹھارہ میل دُور ہے شمال مغربی سمت میں قبائلی علاقہ میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ پشاور میں چڑیا گھر قائم کرنے کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ پکنک کے لیے درّۂ خیبر ایک خوبصورت جگہ ہے یہ تاریخی درّہ پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر واقع ہے۔ پاکستان کے مغربی کونے میں پشاور کا تاریخی مقام واقع ہے۔ درّۂ خیبر پشاور سے گیارہ میل کے

فاصلے سے شروع ہوتا اور تورخم، جو پاک افغان سرحد پر واقع ہے، تک چلا جاتا ہے۔ کوہِ قراقرم کے پہلو میں واقع یہ چوبیس میل لمبا پہاڑی راستہ بہت ہی دلکش اور بھلا معلوم ہوتا ہے۔ بَل کھاتی ہوئی یہ سڑک دُور سے ایک اژدہے کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ پشاور میں دو عجائب گھر ہیں۔ ایک پشاور میوزیم ہے اور دوسرا پشاور کلب ہے۔ پشاور میوزیم پہلا سرکاری میوزیم ہے۔ یہ عجائب گھر گندھارا تہذیب کے نوادرات سے بھرا پڑا ہے۔ دوسرا عجائب گھر پرائیویٹ ہے پچاس میل کے فاصلے پر تخت بائی اور چارسدہ واقع ہیں۔ ہندوؤں کی ویدک تہذیب کا مرکز یہی علاقے ہیں۔

پشاور ایک تاریخی شہر ہونے کے ساتھ ساتھ تجارتی طور پر بھی اہمیت رکھتا ہے۔ پرانے زمانے میں تاجر درّۂ خیبر کے راستے یہاں پر تجارت کے لیے آتے تھے اور موجودہ زمانے میں تجارت کی وجہ سے اور زیادہ آسانیاں ہوگئی ہیں۔ یہاں کی مشہور صنعتوں میں اُونی کپڑا، سوتی کپڑا، کاغذ سازی، چمڑا سازی، دیا سلائی، بناسپتی گھی، ادویات، سگریٹ، وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ خشک پھل بھی بہت اہم ہیں۔ یہاں کی سوغات میں زری کے جُوتے، نقش کندہ خنجر، تانبے کے برتن، قالین، چترالی چوغے اور سواتی پردے شامل ہیں۔ اس کی مشہور زرعی پیداوار میں گندم، چاول، گنّا، کپاس اور مختلف اقسام کے پھل شامل ہیں۔ ہیروں کو تراشنے اور پالش کرنے کا پہلا کارخانہ پشاور میں قائم ہوا۔ پاکستان کا سب سے بڑا اور جدید سرد خانہ پشاور میں قائم ہے۔ اس کے علاوہ پشاور سے نمک بھی نکالا جاتا ہے۔ پشاور کے تاجر اپنے کام میں کھرے ہوتے ہیں۔ پشاور کی کُل آبادی ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق پانچ لاکھ پچپن ہزار تھی اور اس لحاظ سے اب آبادی تقریباً دوگنی ہوگئی ہوگی۔

پشاور کے عوام اپنی شجاعت اور بہادری میں مثال نہیں رکھتے۔ اس زمین سے ایسے فرزند پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے کاموں میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ جہانگیر خاں اسکوائش کا ناقابلِ تسخیر کھلاڑی اور دنیائے کرکٹ کا عظیم آل راؤنڈر عمران خان اسی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ خان عبدالقیّوم خان، پطرس بخاری، مشہور شاعر احمد فراز صوبہ سرحد کے وزیرِاعلیٰ ارباب محمد جہانگیر خان کا تعلق بھی پشاور سے ہے۔ پشاور میں فضائیہ کا ہیڈکوارٹر ہے۔ جہاں پر نوجوانوں کو فضائی تربیت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کی شاندار یونیورسٹی پشاور یونیورسٹی ہے۔ یہ جدید طرز پر قائم کی گئی ہے یہاں بہت سے کالج بھی ہیں جن میں خواتین اور لڑکوں کے کالج شامل ہیں۔ پرائمری سطح پر بھی بہت سے اسکول ہیں۔

پشاور چونکہ وسطی ایشیا کا انتہائی قدیم علاقہ ہے۔ اس کی وجہ سے یہ بات اس کی تہذیب و تمدّن پر بہت اثر انداز ہوئی ہے۔ جشنِ خیبر، موسمِ بہار کی آمد کا اعلان ہوتا ہے اور یہاں کی ثقافتی زندگی کا مظہر ہے رسم و رواج کے معاملے

ہیں یہاں کے لوگ بہت سخت ہیں۔ خواتین پردہ کرتی ہیں اور مرد کو گھر کے سربراہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے شادی بیاہ کے معاملات میں والدین کی رضامندی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ یہاں کا مشہور رقص خٹک ہے۔ ہاتھ میں ننگی تلواریں لیے اور سر کے لمبے لمبے بال لہراتے جب تنومند پٹھان ناچتے ہیں تو دیکھنے والوں پر وَجد کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہ ناچ سال کے ہر حصے میں ناچا جاتا ہے۔ اس رقص کے لیے شہنائی اور ڈھول استعمال ہوتا ہے۔ جہاں پشاور کی تہذیب پر بدھ تہذیب کے اثرات پائے جاتے ہیں وہاں ہندو تہذیب کے اثرات بھی ہیں۔ شادی بیاہ میں مہندی جیسی رسمیں انہی کے زیرِاثر حاصل کی گئی ہیں۔ پشاور میں زیادہ تر پشتو اور ہندکو بولی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پنجابی زبان بھی بولی جاتی ہے۔ پشاور میں زیادہ تعداد پٹھانوں کی ہے اور یہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ پشاور تہذیب کی ایک اہم چیز یہاں کی مہمان نوازی ہے۔ پشاور میں ہر چیز کے بازار الگ الگ ہیں جن میں، چاندی کے زیورات کا بازار، کپڑوں کا بازار، پگڑیوں کا بازار، قالینوں کا بازار، جوتوں کا بازار وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

پشاور میں ادبی محافل کا اہتمام ہوتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اب یہاں پر آرٹ گیلریاں وغیرہ بھی قائم کر لی گئی ہیں۔ پشاور سے مشرق، شہباز، بانگِ حرم، الجمیعت سرحد اور خیبر میل شائع ہوتے ہیں۔ پشاور کے عجائب گھر میں قائدِاعظم کا ذاتی طیّارہ موجود ہے۔

پشاور شہر میں کرکٹ کا ایک اسٹیڈیم تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ فٹ بال وغیرہ کے گراؤنڈ یہاں قائم ہیں۔ پشاور میں آبادی کے اضافے کی وجہ سے نئے علاقے آباد ہو رہے ہیں۔ پشاور کے گرد بہت سے قبائلی علاقے واقع ہیں پشاور میں مقامی دستکاریوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ پشاور کا ہوائی اڈّہ جدید ہوائی اڈّوں میں شمار ہوتا ہے۔ اگست ۱۹۷۰ء میں شاہراہِ ریشم کھولی گئی اور یہ پشاور سے جاتی ہے۔ جی ٹی روڈ پشاور کی مشہور سڑک ہے۔ پشاور کے لوگوں کو کھانے پینے سے رغبت ہے۔ یہاں کی مشہور چیز چپلی کباب ہے، اور دوسری چیز قہوہ ہے۔ پشاور میں تفریحی مقامات زیادہ نہیں ہیں۔ علاقے کو خوبصورت بنانے کے لیے درخت اور پودے لگائے گئے ہیں۔ پھلوں کی نمائش بھی ہوتی رہتی ہے۔ شہر میں شاپنگ کے مختلف علاقے ہیں۔ اس کے علاوہ جدید شاپنگ سینٹر قائم کیے جا رہے ہیں۔

پشاور بہادروں کا دیس ہے۔ یہاں کے لوگوں نے قیامِ پاکستان کے وقت بہت ہمّت اور جوش سے کام لیا اور یہاں کے لوگوں نے مہاجرین کی دل کھول کر مَدد کی۔ قصّہ خوانی بازار انگریزوں کے ظلم و استبداد اور پٹھانوں کے جذبۂ حُریّت کا نقیب ہے۔ غرض اس کی مٹّی میں اُن شہیدوں کے خون کی مہک رچی ہوئی ہے۔ جنھوں نے اسلام کی خاطر اپنے وطن کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دی۔ پشاور شہر ایک زندہ داستان ہے۔ اس کے گوشے گوشے میں داستانیں پوشیدہ ہیں۔ اس کے ایک ایک حصے سے مجھے دلی لگاؤ ہے۔ اس کا ہر روپ، ہر انداز، ہر نظارہ جنّت کے نظارے کی طرح محسوس ہوتا ہے۔

سعیدہ احسان

ہڑتال

اُس دن صبح کو جب انور اسکول جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا تو وہ بہت خوش تھا۔ اُس نے بہت احتیاط سے ایک رات پہلے اپنے کپڑے استری کر کے رکھے تھے۔ اپنے جوتے پالش سے خوب چمکائے۔ دراصل آج اسکول میں بچّوں کی صفائی ستھرائی کے معائنہ کا دن تھا۔ ویسے بھی انور عام طور پر یہ بہت صاف ستھرا لڑکا تھا اور اسے ہمیشہ صفائی پر انعام مِلتا۔ انور جب اسکول پہنچا تو اُسے یہ معلوم کر کے بڑی ناامیدی ہوئی کہ شہر میں کوئی ہڑتال ہے، جس کی وجہ سے اسکول بند ہو گیا۔ اسے ہڑتال سے بڑی اُلجھن ہوتی تھی۔ خواہ مخواہ اِدھر اُدھر مارے مارے پھرو، اور چھٹّی کا بھی کوئی مزہ نہیں آتا تھا کیونکہ

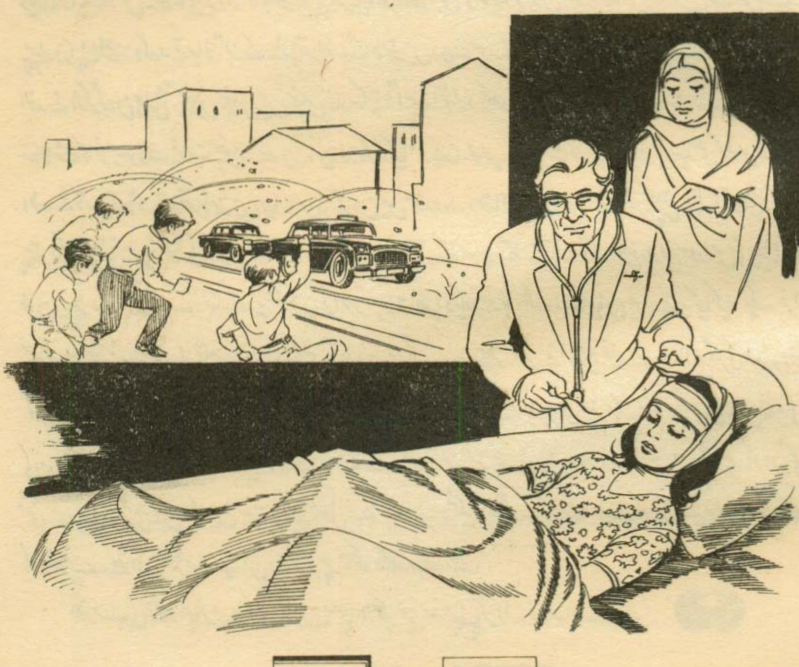

امّی ایسے میں باہر نکلنے سے منع کرتیں۔ ابھی وہ کلاس کے باہر کھڑا ہُوا سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے کہ خورشید اور مُنیر بھاگے بھاگے کہیں جا رہے تھے۔ اس نے انھیں آواز دی، تو انھوں نے کہا! "باہر چوراہے پر بہت سے لڑکے جمع ہیں، تم بھی چلو ذرا دیکھیں کیا ہو رہا ہے"۔ انور نے سوچا کہ ذرا دیر وہاں ٹھہر کر وہ گھر چلا جائے گا۔

یہ تینوں لڑکے جب چوراہے پر پہنچے تو انھیں اپنے کچھ اور ساتھی بھی دکھائی دیے۔ یہ بھی اُن کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ انور نے دیکھا کہ لڑکوں نے پتھّروں کا ایک ڈھیر جمع کیا ہوا ہے اور ہر آنے جانے والی موٹر یا بس پر پتھّر مارتے انور کو یہ کھیل اچھا نہیں لگا۔ اُس نے کچھ لڑکوں سے پوچھنا چاہا کہ وہ کیوں اتنے معصوم بے گناہ لوگوں کو تکلیف دے رہے ہیں۔ مگر لڑکے تو جوش میں دیوانے ہو رہے تھے "وہ دیکھو کیا نشانے پہ لگا۔ یہ دیکھو وہ آ رہی ہے موٹر اسے مت چھوڑنا" اور پھر چھنا کے کے ساتھ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹتے تو لڑکے خوب شیخیاں مارتے کہ دیکھو پوری کھڑکی ختم ہو گئی۔ بسوں اور موٹروں کے مسافر جب پتھّر سے بچنے کے لیے اِدھر اُدھر چھُپنے کی کوشش کرتے تو لڑکے خوب ہنستے۔ انور کو بڑی گھبراہٹ ہوئی۔ یہ وحشیانہ حرکت اس کی بالکل سمجھ میں نہ آئی۔ اس نے سوچا گھر چلنا چاہیئے۔ گھر جانے کے لیے وہ مُڑا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی نے گردن دبوچی "اوہ میرا یار میدان چھوڑے دے رہا ہے"۔ انور نے مشکل سے گردن موڑ کر اوپر دیکھا تو ایک اُس سے کافی بڑا لڑکا ہاتھ میں پتھّر لیے کھڑا تھا۔ "میں تو گھر جا رہا ہوں"۔ انور نے رونی آواز میں کہا۔ "گھر جانے سے پہلے ذرا اپنا نشانہ دکھاتے جاؤ"۔ لڑکے نے پتھر انور کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "وہ سامنے جو لائٹ ہے نا۔ ذرا مارو اس کو"۔ انور نے ڈر کر گردن ہلائی۔ "نہیں نہیں میں نہیں مار سکتا"۔ "اچھا! تو لو دیکھو" یہ کہہ کر اس نے لائٹ پہ تاک کر پتھّر مارا۔ لمبا سا لائٹ کا خوبصورت ٹیوب چھَن سے ریزہ ریزہ ہو کر گر گیا۔ "دیکھا۔ لو اب لگاؤ نشانہ۔ مارتا ہے یا سیدھی کر دوں گردن"۔ انور نے ڈرتے ڈرتے پتھّر ہاتھ میں لیا۔ اس کی گردن میں سخت درد تھا اور پھر اُس نے پتھّر کھینچ مارا۔ اتفاق سے یہ پتھر ایک تیز آتی ہوئی موٹر کی کھڑکی توڑتا ہوا ایک ننھّی سی بچّی کے سر پہ لگا۔ بچّی نے ایک چیخ ماری اور اس کی پیشانی سے خون بہنے لگا۔ ڈرائیور نے رفتار اور تیز کر دی مگر انور مبہوت کھڑا دیکھتا رہا۔ اُف اللہ میاں میں نے یہ کیا کیا۔ ایک مرتبہ پھر اُسے شور سُنائی دیا۔ تمام لڑکے ایک بس کی طرف بھاگ رہے تھے۔ انور نے موقع غنیمت جانا اور گھر کی طرف دوڑا گھر پہنچتے پہنچتے اس کے کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ قمیض پھٹ گئی تھی۔ گھر کے باہر اس نے ایک موٹر دیکھی جو بالکل خالہ جان کی موٹر کی طرح تھی مگر اس کی کھڑکی کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ انور دھڑکتے ہوئے دل سے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ اس کی مُنّی سی پیاری سی بہن شاہین بستر پر لیٹی ہوئی ہے۔ خون سے تکیہ بھیگ گیا تھا۔ سب گھر والے پریشان اس کے گرد کھڑے تھے اور ڈاکٹر صاحب اُن کے زخم پر ٹانکہ لگا رہے تھے۔

انور سب کی نگاہ بچا کر اپنے کمرے میں پہنچا اور تکیہ میں منھ چھُپا کر زار و قطار رونے لگا۔

نسخہ

ایم۔ افضل

باورچی خانے میں بیٹھی روبینہ حساب کی کتاب میں اہم مشقوں پر جب پنسل سے نشان لگا چکی تو اُسے یاد آیا امجد اور اُس کے ساتھی اب تک چائے پی چکے ہوں گے اُس نے اٹھ کر حساب کی کتاب احتیاط سے رکھی اور امجد کو آواز دینے بیٹھک کی طرف چلی گئی۔ ابھی دروازے سے اِدھر ہی تھی کہ اُسے اندر سے امجد اور اُس کے ہم جماعتوں کی کسی بات پر بحث سنائی دی۔ وہ ذرا رُک کر سننے لگی امجد کہہ رہا تھا۔ "دوستو اگر یہی گیس امتحان میں نہ آیا۔ تو میں ڈبل رقم واپس کروں گا۔ نکالو رقم اور یہ نسخہ لے لو۔" روبینہ چونکی اور کھڑکی کی درز سے اندر کی جانب دیکھنے لگی۔ امجد کے دوست پانچ پانچ کے نوٹ نکال کر اُسے دے رہے تھے۔ جنہیں امجد نے احتیاط سے کوٹ کی جیب میں رکھا اور پھر ایک الماری کی طرف بڑھا اور کاپی کے سائز کا ایک کاغذ نکال کر اُس نے اپنے ہم جماعتوں کی طرف بڑھا دیا اور بولا۔ "اسے سب نقل کر لینا۔ ٹھیک تین دن بعد یہی حساب کے سوالات امتحان میں آئیں گے۔ جب تمام لڑکے وہ کاغذ دیکھ چکے تو اُن میں سے ایک نے کہا "بھئی اب ہمیں بتا دو کہ یہ تمہارے ہاتھ کیسے لگا۔" پہلے تو امجد نے بہت ٹالنے کی کوشش کی مگر ان کے اصرار اور اس وعدے پر کہ وہ کسی دوسرے ہم جماعت سے اس بات کا ذکر نہیں کریں گے اُس نے دیکھتے بھالتے اپنی کتابوں کی الماری سے ایک اور کاغذ نکالا اور اپنے ہم جماعت دوستوں کی طرف بڑھا دیا۔ انھوں نے اِس دوسرے کاغذ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر یک آواز پکار اٹھے یہ تو گزشتہ روز کا اردو کا پرچہ ہے۔ امجد نے کہا "پاگلو ذرا غور سے دیکھو تمہیں کچھ اور

بھی نظر آئے گا۔ وہ پھر بولے "یہ تو ہم دیکھ رہے ہیں۔ اردو کے سوالات کے ساتھ کچھ سیاہی کے دھبے ہیں۔ جو اسکول کی سائیکلو اسٹائل مشین میں شاید زیادہ سیاہی لگنے سے آگئے ہیں"۔ یہ سن کر امجد نے پھر مسکراتے ہوئے وہ اردو کا پرچہ اُن سے لیا اور اسے اٹھاکر کے اپنی آنکھوں کے اوپر کر کے ایسے دیکھنے لگا جیسے کسی فلم کا نیگیٹو دیکھتے ہیں اور پھر دوبارہ کاغذ دوستوں کو دیکر کہنے لگا " لو تم بھی اس طرح دیکھو۔ ان لڑکوں نے باری باری کاغذ کو دیکھا اور ساری بات سمجھ گئے۔ اور ہنستے ہوئے امجد کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے داد دی کہ بھئی بہت خوب۔ ان میں سے ایک بولا " امجد تم انسان نہیں خوردبین ہو۔" " نہیں ایسی کوئی بات نہیں اتفاق سے حساب کے سوالوں کا پرنٹ اس پرچے پر آگیا ہے اور اتفاق سے میں نے پہچان لیا ہے ہو سکتا ہے۔ تمہارے سوالات کے پرچوں پر بھی یہ پرنٹ آگیا ہو "۔ روبینہ جو باہر کھڑی اُن کی باتیں سُن رہی تھی سمجھ گئی کہ پرسوں ہونے والے حساب کے امتحانی پرچے کی نقل ان کے ہاتھ لگ گئی ہے اور جسے وہ سب پاکر بہت خوش ہو رہے ہیں۔ اور یقیناً امجد سمیت یہ وہ لڑکے ہیں جو آسانی سے اور بغیر محنت کے امتحان میں پاس ہونے کی سوچتے ہیں۔ اب وہ قہقہے لگا رہے تھے۔ روبینہ نے جان بُوجھ کر کھنگارا اور ان کے فلک شگاف قہقہے اچانک تھم گئے۔ روبینہ نے امجد اور اُس کے ہم جماعتوں کی طرف توجہ دیئے بغیر چائے کے برتن سمیٹے اور چلی آئی۔

شام کو۔ امجد خلافِ معمول باہر جانے لگا تو روبینہ نے اُس سے پوچھا " امجد آج پڑھو گے نہیں؟ امجد نے کہا روبینہ امتحان دو دن بعد ہے اور میں نے حساب میں کافی محنت کی ہوئی ہے۔ مجھے فکر نہیں "۔ " کل تک تو تم کہہ رہے تھے پیاری بہن مجھے حساب کی فلاں مشق تو سمجھا دو۔ اور آج ایک دم تم نے محنت کیسے کرلی۔ کیا کوئی پاس ہونے کا تعویذ تو نہیں ہاتھ لگ گیا؟ " یہ سن کر امجد چونکا اور بولا " کیا مطلب؟ "

" مطلب یہ کہ کل جو۔۔۔ خیر جانے دو۔"

" تو تم نے چُھپ کر ہماری باتیں سن لیں۔ اب سمجھا۔" امجد پلٹ کر روبینہ کے پاس آگیا اور خوشامد کے لہجے میں بولا " دیکھو روبینہ ابو یا امی سے مت کہنا اور جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر روبینہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔

" یہ لو "۔ " نہیں مجھے نہیں چاہیئے غلط کام کو چُھپانے کے لئے یہ رشوت "

" بھئی اگر میرا کام بن جائے تو تمہارا کیا حرج ہے! "

" حرج میرا نہیں تمہارا ہے۔ اتفاق سے حساب کا پرچہ تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ مگر ہر بار تو ایسا نہیں ہوتا۔ میری بات کان کھول کر سن لو۔ امتحان میں ابھی تین دن ہیں۔ اگر محنت سے تیاری کروگے تو

پاس ہونے کے لئے ایسے سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی" "ٹھیک کہتی ہو۔لیکن اس بار جانے دو۔ آئندہ میں تمہارے کہنے پر عمل کروں گا۔"

"نہیں نہیں وہ پرچہ میرے حوالے کرنا ہوگا اور آج سے محنت کا عمل کرنا ہوگا۔"

"ایسی بات ہے تو میں بھی تاریخ کے امتحان کی تیاری میں تمہاری مدد نہیں کروں گا۔"

"وہ میں ابو سے مدد لے لوں گی۔"

"اِس کا مطلب ہے تم میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہو۔"

"یہی سمجھ لو" روبینہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے مجھے بھی کوئی پرواہ نہیں۔ دیکھا جائے گا۔ یہ کہہ کر امجد کھیلنے کے لئے باہر نکل گیا۔

امجد یوں تو امتحان کے ان دنوں میں کھیلنے کے لئے باہر نکل گیا۔ مگر اسے کھٹکا تھا کہ روبینہ اس کی شکایت ضرور ابو سے کر دے گی۔ مگر وہ دوسرے دن جب کھیلنے کے لئے جانے لگا تو بہت حیران ہوا کہ روبینہ کی طرف سے کوئی ردعمل نہ تھا اور وہ یوں مسلسل دو دن امتحان کی پرواہ کئے بغیر کھیل کود میں مصروف رہا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ حساب کے پرچے سے بخوبی نپٹ لے گا۔ مگر تیسرے دن جب وہ حساب کا پرچہ دے کر آیا تو اُس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ روبینہ کے پوچھنے پر اُس نے بظاہر کہہ دیا کہ پرچہ ٹھیک ہوا ہے مگر وہ افسردہ سا سوچ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہوا۔ امتحانی پرچے میں وہ سوالات نہیں تھے جو تین روز قبل اسے اردو کے سوالات کے پرچے میں مدہم چھپے ملے تھے ظاہر تھا کہ قبل از وقت حاصل ہو جانے والے حساب کے سوالات کے بارے میں اسکول کے ماسٹروں کو بھی پتہ چل چکا ہوگا۔ اور یوں امتحانی سوالات کا پرچہ بدل دیا گیا تھا جس کی امجد کو توقع نہ تھی۔ اُسے اپنی غلط فہمیوں کا اندازہ ہو گیا مگر اب کیا کیا جائے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اور اپنے کئے ہوئے کمزور پرچے کو یاد کر کر کے گزرے وقت پر افسوس کرنے لگا۔ روبینہ کا کہنا اُسے رہ رہ کر یاد آرہا تھا۔ کاش اُس نے بہن کے کہنے پر عمل کیا ہوتا تو یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ اور پھر دوسرے اب وہ اپنے ہم جماعتوں سے وصول کردہ پیسے کیسے لوٹائے گا۔ جو وہ کھا پی چکا تھا۔ اسے افسردہ دیکھ کر روبینہ آڑے آئی اور جب اس کے مجبور کرنے پر اُس نے ساری حقیقت حال کہہ دی تو روبینہ نے اپنی بچت کی جمع کردہ رقم اُس کے حوالے کر دی تاکہ وہ اپنے ہم جماعتوں کے پیسے لوٹا سکے۔ اور آئندہ سے امتحان میں کامیابی کے لئے کچے سہاروں کی تلاش، سستی اور محنت سے جی چرانے کے عمل سے توبہ کر لی۔ کہ محنت کے عمل سے ہی ہر نوع کی کامیابی اور عظمت ہے۔

اِک نیا کمال
اِک نیا معیار
نئے دَور کی نئی پینسل
Goldfish
DELUXE PENCIL
شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی ۸۸ - ایس - آئی - ٹی - ای - کراچی
فون: ۲۹۳۴۵۱، ۲۹۳۴۵۲

Midas Khi

ننھّے ساتھیوں کے لیے ایک کہانی

دوستی

رضوانہ سلیم

ایک جنگل میں بندر، گلہری، خرگوش اور شتر مرغ مل جل کر رہتے تھے اور آپس میں دوست تھے۔ وہاں درندے اور خونناک جانور نہیں رہتے تھے۔ اس لئے سارے جانور بہت امن اور سکون سے رہتے تھے۔ بندر، گلہری، خرگوش اور شتر مرغ کی آپس کی دوستی نے جنگل کی فضا بہت خوبصورت بنا دی تھی۔ سارے دوست اپنے کام ختم کر کے ایک جگہ جمع ہو جاتے اور دن بھر کی باتیں کیا کرتے۔ جنگل کے قریب ہی انسانوں کی آبادی تھی جہاں دو بچے احمد اور شاہد رہتے تھے وہ دونوں آپس میں بہت اچھے دوست تھے لیکن دونوں بے حد شریر تھے وہ اکثر اس جنگل میں آتے اور گلہری کا غلیل سے نشانہ لیتے وہ بے چاری درختوں میں چھپتی پھرتی اور ان دونوں سے بہت ڈرتی تھی پھر خرگوش کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے بھاگتے خرگوش دوڑ لگاتا اور جب اِن کی نظر سے اوجھل ہو جاتا تو دیر تک ڈر کے مارے کانپتا رہتا تھا احمد اور شاہد شتر مرغ کو بھی پریشان کرتے اور اس کے انڈے توڑ دیتے تھے۔ بندر کی دم کھینچ لیتے اور اسے غلیل سے پتھر مارتے مگر بندر بہت شریف اور رحم دل تھا۔ وہ جواب میں ان کو پتھر نہ مارتا اور نہ ان کی نقلیں اتارنے کا بُرا مانتا تھا۔

سارا دن کام کاج اور خوراک کی تلاش کے بعد شام میں بندر، گلہری، خرگوش اور شتر مرغ اکٹھا ہوتے تو اکثر انہی دو شریر بچوں کی باتیں کرتے۔ گلہری بتاتی کبھی کبھی خوراک کی تلاش میں وہ آبادی کی طرف نکل جاتی ہے تو دیکھتی ہے کہ دونوں بچے بستہ گلے میں لٹکائے اسکول جا رہے ہیں۔ خرگوش کہتا کہ اسکول میں تو اچھی اچھی باتیں سکھائی جاتی ہیں اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ

دوسروں کو تنگ کرنا بری بات ہے۔ جانور بے زبان ہوتے ہیں۔ انہیں مارنا گناہ ہے پھر یہ بچے جو اتنے پیارے لگتے ہیں ہمیں کیوں تنگ کرتے ہیں۔ چاروں دوست سوچ میں پڑ گئے کہ اسکول جانے والے اتنے اچھے بچّے اچھے کام کرنے کی بجائے بُرا کام کیوں کرتے ہیں؟۔

ایک دن جب احمد اور شاہد نے شترمرغ کے انڈے توڑ دیئے تو شترمرغ بہت رویا اس پر نیک دل بندر کہنے لگا میں آبادی کی طرف جاتا ہوں اور احمد اور شاہد کو سمجھاتا ہوں کہ آئندہ وہ مجھے اور میرے دوستوں کو تنگ نہ کریں۔ آخر نے انکا کیا بگاڑا ہے"

یہ کہہ کر وہ آبادی کی طرف چلا ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اسے احمد اور شاہد جنگل کی طرف آتے دکھائی دیئے وہ آپس میں زور روز سے باتیں کر رہے تھے "آج ہم خوب بیر توڑ کر کھائیں گے۔ اور بندر کی دم پکڑ کے اسے درخت سے باندھیں گے۔ خرگوش کے کان کھینچیں گے"۔

یہ سن کر بندر کو بہت غصّہ آیا۔ اس نے چلّا کے کہا۔ "آخر ہم نے کیا قصور کیا ہے، جو تم ہم لوگوں کو آرام وسکون سے نہیں رہنے دیتے"۔

یہ سنتے ہی احمد اور شاہد نے غلیل تان لی اور بندر پر اتنی چاند ماری کی کہ وہ زخمی ہو کر جنگل کی طرف بھاگ نکلا اور دوستوں میں جاکے پناہ لی اور انہیں ساری بات بتائی سارے دوستوں کو بہت افسوس ہوا اور ڈر کے بیٹھ گئے۔ اب جیسے ہی احمد اور شاہد کے جنگل میں آنے کا وقت ہوتا، وہ اپنے گھروں میں چھپ کے بیٹھ جاتے۔

احمد اور شاہد کے جنگل میں آنے کا وقت ہو گیا۔ تھا لیکن نہ کوئی شور، نہ ہنگامہ، نہ غلیل سے پتھر پھینکنے کی سائیں سائیں۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ بس ایک سناٹا سا تھا۔ بندر اپنے گھر سے باہر نکلا اور شترمرغ کے گھر جاکے اس سے کہنے لگا۔

" دوست! باہر آجاؤ شاید آج دونوں بچوں نے اپنی شرارت سے توبہ کرلی ہے، آج ہم مل بیٹھ سکتے ہیں اور بے خوف وخطر اپنی خوراک بھی تلاش کر سکتے ہیں۔" پھر وہ گلہری اور خرگوش کو بھی ان کے گھروں سے نکال لائے اور سب الگ الگ اپنی خوراک تلاش کرنے لگے۔ بندر ایک درخت پر چڑھ کے پھل توڑنے لگا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ بیر کے درخت کے نیچے شاہد لیٹا ہوا ہے اور احمد اس کے پاس بیٹھا رو رہا ہے بندر بھاگا ہوا آیا، احمد کو روتا دیکھ کر رحم دل بندر ساری شکایتیں بھول گیا اور بولا "دوست! تم کیوں رو رہے ہو اور تمہارے دوست کو کیا ہو گیا ہے؟"

احمد بولا" شاہد بیر توڑنے کے لئے درخت پر چڑھا تھا مگر پیر پھسلنے سے گر گیا۔ اس کے سر سے بہت خون بہہ رہا ہے اور یہ بے ہوش ہو گیا ہے"۔

بندر بولا "تم فکر نہ کرو میں شاہد کو اپنی پیٹھ پر لادتا ہوں تم بھی میرے ساتھ آؤ"۔ یہ کہہ کر بندر نے احمد کو پیٹھ پر لادا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ احمد دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہیں بندر ان کی شرارتوں کا بدلہ نہ لے۔ مگر ساتھ ساتھ چلتا بھی گیا کیونکہ شاہد بے ہوش تھا وہ اس کو لے کر آبادی کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ گھر پہنچ کر بندر نے جلدی جلدی اپنے دوستوں کو بلایا گلہری کہیں سے بہت ساری روئی اور کپڑا لے آئی جس سے بندر نے شاہد کے زخم صاف کئے۔ خرگوش نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے شاہد کے منہ پر چھینٹے مارے اور اپنے لمبے لمبے کانوں سے اُسے ہوا دینے لگا تھوڑی دیر بعد شاہد کو ہوش آگیا اس نے آنکھیں کھول دیں مگر نقاہت کی وجہ سے وہ اُٹھ نہیں سکتا تھا کیونکہ اسکول سے آکر اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اور چوٹ کی وجہ سے خون بھی خاصا بہہ گیا تھا اِس لئے بہت کمزوری محسوس ہورہی تھی اسے ہوش میں آتا دیکھ کر شترمرغ بھاگ کر اپنے گھر سے سوپ کا پیالہ لے آیا اور شاہد کو اپنی چونچ سے آہستہ آہستہ سوپ پلانے لگا۔ گلہری دوڑ کر کچھ اخروٹ لے آئی اور اپنے ننھے ننھے دانتوں سے کاٹ کے اس کے سامنے ڈھیر کرنے لگی کچھ اخروٹ اس نے چھیل چھیل کر شاہد اور احمد کو بھی دیئے بندر کے پاس پھل رکھے تھے وہ اس نے چھیل چھیل کر شاہد کو کھلانے شروع کر دیئے۔ خرگوش، گلہری، شترمرغ اور بندر نے شاہد کی پٹی بھی کر دی تھی۔ اب شاہد کی کمزوری ختم ہونے لگی تھی اور وہ اٹھ کے بیٹھ گیا تھا۔ اس نے اپنے دوست احمد کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ سختی سے بند کئے ہوئے تھے۔ شاہد نے اس سے پوچھا "بھائی احمد! تمہارے ہاتھوں میں کیا ہے؟"

احمد نے ہاتھ کھولے تو اس میں غلیل تھی۔ غلیل دیکھتے ہی سارے جانور ڈر گئے۔ احمد نے غلیل بندر کے ہاتھ میں پکڑوا دی اور بولا "ارے رحم دل بندر! تم اور تمہارے دوست بہت اچھے ہیں۔ اب میں کبھی غلیل استعمال نہیں کروں گا۔ اور کبھی تم لوگوں کو تنگ نہیں کروں گا۔ تو تم اس غلیل کو کہیں پھینک دینا۔"

شاہد نے بھی شرمندہ ہو کے سر جھکا لیا اور بولا "پیارے اور معصوم جانور! ہم دونوں کو معاف کر دو ہم بھول گئے تھے کہ دوسروں کو تنگ کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اور اس گناہ کی سزا ضرور ملتی ہے۔ مجھے سزا مل چکی ہے مگر اب میں توبہ کرتا ہوں"۔ بندر گلہری اور خرگوش نے خوشی سے تالیاں بجانی شروع کر دیں اور شترمرغ اپنی لمبی چونچ کو نیچے اوپر کر کے خوشی کا اظہار کرنے لگا اور پھر سارے جانور کہنے لگے "اگر یہی بات ہے تو آپ دونوں ہم سے ہاتھ ملایئے اور آج سے آپ دونوں بھی ہمارے دوست بن جایئے۔"

احمد اور شاہد نے مسکرا کے ان سب سے ہاتھ ملایا اس دن کے بعد سے احمد اور شاہد بندر، خرگوش، گلہری اور شترمرغ کے دوست بن گئے۔

انعامی مقابلۂ کیپشن

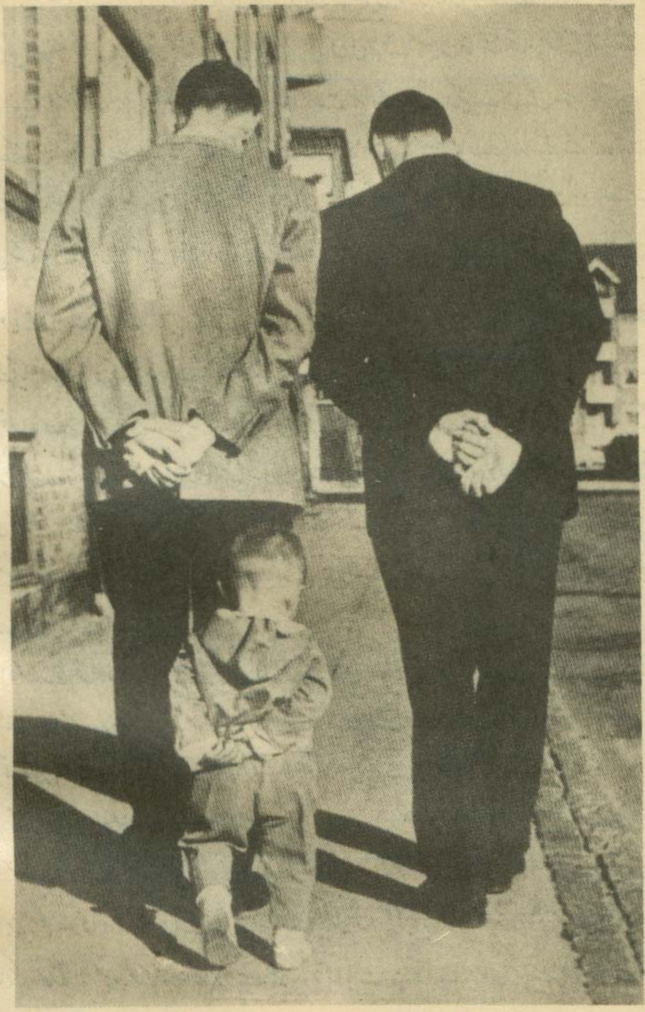

اس تصویر کے لیے کوئی دلچسپ کیپشن تجویز کیجیے۔ سب سے خوبصورت کیپشن تجویز کرنے والے ساتھی کے نام "آنکھ مچولی" چھ ماہ کے لیے مفت جاری کیا جائے گا۔

شمشیر بہ شمشیر

کلثوم واحد

بہُت دِن گذرے ایک بہت خوبصُورت جنگل میں ایک بہت خوبصُورت بکری اپنے دو ننھّے منّے پیارے پیارے بچوں کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ اس کا نام می می تھا اور وہ تھی بھی بہت نیک اور عقلمند اس کا گھر جنگل کے بالکل شروع ہی میں تھا اور چاروں طرف ہرے ہرے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ جن پر نازک نازک بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ یہ گھر چونکہ درختوں کے جُھنڈ میں چھپا ہوا تھا اس لئے بہت آرام دہ اور محفوظ تھا۔ جب بارش ہو رہی ہوتی یا تیز ہوا چلتی تب بھی گھر کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ بکری اور اس کے بچے آرام سے رہتے۔

می می روزانہ صبح سویرے اُٹھتی، گھر کو خوب صاف کرتی پھر بچوں کو جگاتی اور انہیں ناشتہ دیتی۔ ایک بچے کا نام اس نے شمشیر اور دوسرے کا بشیر رکھا تھا شمشیر اور بشیر ابھی چھوٹے ہی تھے۔ ان کے دانت بھی نہیں تھے۔ وہ گھاس اور پتے نہیں کھا سکتے تھے اس لئے ان کو دُودھ کا ناشتہ ملتا تھا۔ وہ ابھی خود اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے جب بھی اُن کی امّی می می باہر جاتی انہیں گھر میں ہی رہنے دیتی اور ہمیشہ نصیحت کرتی کہ تم لوگ ہرگز باہر نہ جانا بلکہ گھر کے اندر ہی کھیلتے رہا کرو اور جب تک میں نہ آجاؤں تمہیں ہر حال میں یہیں رہنا ہے۔ بچوں کو یہ سب باتیں بتا کر اور پیار کر کے می می باہر نکل جاتی۔ اِدھر اُدھر گھوم کر گھاس اور درختوں کے پتوں سے اپنا پیٹ بھرتی۔ جنگل بہت ہرا بھرا تھا اس میں بہت ساری نرم نرم گھاس تھی اور بہت مزے دار پتے تھے کچھ پتے بڑے تھے کچھ چھوٹے، کچھ لمبے کچھ گول یا چپٹے۔ ہر قسم کے درخت لگائے ہوئے

تھے اللہ میاں نے ۔صاف شفاف پانی کی نہر اور چشمے بھی تھے مزے مزے کے کھانے اور ٹھنڈا پانی پی کر می می اللہ کا شکر ادا کرتی اور احتیاط سے چلتی ہوئی گھر آجاتی ۔

می می جب گھر کے پاس پہنچتی تو باہر ہی سے کہتی ۔

شمشیر تو من میں آ ، بمشیر تو من میں آ ، شیرِ تُرابدارم

اپنی ماں کی آواز سنتے ہی بچے اُچھلتے کودتے باہر آجاتے ۔ماں کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوتے ۔ پھر می می ان کو لے کر اندر جاتی اور بچے دُودھ پینے لگتے یہاں تک کہ ان کا پیٹ بھر جاتا ۔ پھر شمشیر بمشیر کہانی کی فرمائش کرتے ۔ می می ان کو کہانی سنانے لگتی کبھی چڑیوں کی کہانی سناتی تو کبھی خرگوش کی ۔کبھی لومڑی کی کہانی سناتی کبھی ہرن یا بارہ سنگھے کی ۔روزانہ ہی کوئی نہ کوئی مزے دار کہانی سناتی پھر رات ہوجاتی تو ماں اور بچے سو جاتے یہ روز کا معمول تھا ۔

ایک دِن کہانی سننے کے بعد شمشیر کہنے لگا کہ امی بمشیر اور میں آپ کے ساتھ کب جنگل میں جائیں گے ۔ ہمارا بہت دِل چاہتا ہے کہ ہم بھی سیر کریں اور ان تمام جانوروں کو دیکھیں جن کی کہانی آپ ہمیں سناتی ہیں ۔

می می کہنے لگی کہ ابھی تو تم لوگ بہت چھوٹے ہو ۔ جب بڑے ہو جاؤ گے تو پھر میں خود تمہیں لے کر جنگل میں جایا کروں گی ۔ ابھی تو جانے میں بہت خطرہ ہے ۔جنگل میں بھیڑیے ہوتے ہیں ۔شیر اور چیتے بھی رہتے ہیں یہ سب بہت خوفناک جانور ہیں اگر تمہیں دیکھ لیا تو فوراً کھا جائیں گے ۔جنگل میں ہاتھی بھی ہوتا ہے ۔جس کی لمبی سی سونڈ ہوتی ہے ۔ چھوٹے جانوروں کو تو چھوڑو ۔ بڑے بڑے چوپایوں کو بھی سونڈ میں لپیٹ کر پٹخ دیتا ہے تم لوگ تو اتنے چھوٹے ہو کر ہاتھی کے راستے میں آگئے تو ویسے ہی کچل جاؤ گے یہ کہہ کر می می نے ایک جھرجھری لی ۔بچے بھی ڈر گئے اور جلدی سے سو گئے ۔

کچھ دِنوں کے بعد پھر دونوں کو جنگل جانے اور سیر کرنے کا شوق اٹھا ۔ ماں سے بولے ۔امی اب تو ہم جنگل میں جاسکتے ہیں نا ۔اب تو ہم بڑے ہو گئے ہیں ۔می می نے اب بھی منع کیا ۔کہنے لگی کہ بس چند دِن اور ٹھہر جاؤ ۔ ابھی تم اتنے بڑے نہیں ہوئے ہو کہ خطرے سے اپنی حفاظت کر سکو ۔صبح جاتے وقت بھی می می ان کو خاص طور پر تاکید کر گئی کہ ہرگز باہر نہ جائیں ۔ دو دن تو خیریت سے گذر گئے لیکن تیسرے روز وہ ماں کی نصیحت بھول گئے ۔شمشیر بمشیر سے بولا آؤ باہر نکل کر دیکھیں تو سہی کہ کیسا لگتا ہے ۔بمشیر کو تو خود ہی گھومنے پھرنے کا بہت شوق تھا ۔ فوراً تیار ہو گیا دونوں گھر میں رہتے رہتے اس پابندی سے اُکتا گئے تھے ۔ کھٹ سے دروازہ کھولا اور نکل کر باہر چل دیئے تازہ ہوا کا جھونکا آیا تو دونوں بے حد خوش

ہوئے۔ پھر اور آگے بڑھے۔ چاروں طرف بہت اچھا سہانا منظر تھا۔ ہری ہری گھاس خوبصورت پیڑ اور پودے اور اِن پر کھِلے ہوئے رنگ برنگے پھول۔ ان کا دِل خوش ہوگیا۔ وہ اُچھلتے کودتے چلتے چلے گئے۔ بشیر بولا آؤ ریس لگاتے ہیں۔ اور دونوں دوڑنے لگے اور دوڑتے دوڑتے جب تھک گئے تو وہیں بیٹھ گئے۔ تھوڑی سی دیر میں ان کو نیند آگئی اور مزے سے سو گئے۔

می می گھر آئی تو روزانہ کی طرح آج بھی باہر ہی سے پکارنے لگی۔ شمشیر تو من میں آ.... بشیر تو من میں آ..... شیرِ ترّا بدارمَ۔ کوئی بھی باہر نہ نکلا۔ اس نے دوبارہ یہ شعر دُہرایا۔ پھر بھی کوئی نہیں نکلا۔ اب تو اُسے پریشانی ہوئی۔ چھلانگ مار کر گھر میں پہنچی۔ وہاں بھی بچّے نہ تھے۔ وہ بے چین ہو کر اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگی۔ اس کا بُرا حال ہوگیا۔ وہ باہر کی طرف دوڑ پڑی اور ہر طرف تلاش کرنے لگی وہ تھک کر چور ہوگئی مگر بچے نہیں ملے۔ وہ بہت مایوس ہوگئی۔ مگر ہمت نہیں ہاری۔ اچانک اس کی نظر سوتے ہوئے بھیڑیے پر پڑ گئی۔ اُس کا پیٹ بہت پھولا ہوا تھا۔ اور وہ بے خبر سو رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر می می کو یقین ہوگیا کہ اس ظالم بھیڑیئے نے اس کے بچوں کو کھالیا ہے۔ وہ غم اور غصّے سے تڑپ گئی۔

دوڑتے دوڑتے لوہار کے پاس گئی جو ساتھ والے گاؤں میں رہتا تھا اس کو جلدی جلدی ساری بات بتائی اور اس سے درخواست کی کہ وہ اس کے سینگوں پر لوہے کا نوک دار خول چڑھا دے۔ لوہار فوراً تیار ہوگیا اور بہت تیزی سے کام کرکے جلدی سے چاقو کی طرح کا تیز خول تیار کیا اور بکری کے سینگوں پر چڑھا دیا۔ می می اُلٹے پیروں دوڑتی ہوئی واپس جنگل آئی سیدھا بھیڑیے کے پاس پہنچی اور نشانہ لے کر پوری قوت سے اپنا سینگ اُس کے پیٹ میں گھونپ دیا بھیڑیے کا پیٹ چاک ہوگیا۔ شمشیر بشیر سہمے سہمے سے باہر نکل آئے۔

می می نے دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور پھر ان کو لے کر گھر واپس آگئی۔ نہلا دُھلا کر چمکایا پھر اِن کو دوُدھ دیا جب ان کا پیٹ بھر گیا تو اُن کو سُلا دیا۔ جب وہ سو کر اُٹھے اور ان کے حواس ٹھیک ہوئے تو می می ان کو سمجھانے لگی کہ بچو تم نے خود دیکھ لیا کہ جو بچے اپنے ماں باپ کا کہنا نہیں مانتے ان کو کیسی کیسی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے بچے بہت ہی شرمندہ تھے انہوں نے اپنی ماں سے معافی مانگی اور اب وہ اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ ماں باپ اگر کسی بات سے منع کرتے ہیں یا کوئی پابندی لگاتے ہیں تو اس میں کوئی نہ کوئی مُصلحت ضرور ہوتی ہے۔

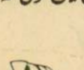

اچھے بچّے وہ ہی ہوتے ہیں جو اپنے ماں باپ اور اُستاد کا کہا مانتے ہیں۔

ماہنامہ آنکھ مچولی

اچھا پڑھیے

آگے بڑھیے

آپ کی علمی ضرورت بھی ہے اور آپ کے ادبی ذوق کی تسکین بھی
اسے باقاعدگی سے پڑھنے کے لئے اور اس کے حصول کو آسان بنانے کے لئے

ہماری خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہو جایئے

اس میں مالی منفعت بھی ہے اور علمی فائدہ بھی
اسے حاصل کرنے کی ذمہ داری ہم پر ڈال دیجئے

ماہنامہ آنکھ مچولی (خصوصی بچت اسکیم) گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی۔ ۱۱۲ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

خصوصی بچت اسکیم

۱۲ شماروں کی قیمت (مع خصوصی شمارے) رجسٹرڈ ڈاک سے ~~۱۲۰~~ ۹۰ روپے

۲۴ شماروں کی قیمت (مع خصوصی شمارے) رجسٹرڈ ڈاک سے ~~۲۴۰~~ ۱۸۰ روپے

مالی فائدے کے علاوہ زحمت سے نجات رسالے کی بحفاظت ترسیل اور ۲ سال ممبر شپ پر قیمتی کتب بلا معاوضہ

- -

میں ماہنامہ "آنکھ مچولی" کی خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہونا چاہتا / چاہتی ہوں
اس کوپن کے ساتھ ۱۲/۲۴ شماروں کی قیمت مبلغ...... روپے کا بینک ڈرافٹ / پوسٹل آرڈر
منی آرڈر کی رسید منسلک ہے ــــ میرے نام حسب ذیل پتے پر ماہ ...... سے ماہنامہ
جاری کر دیا جائے۔

نام ________________________

مکمل پتہ ________________________

کوئی ضروری ہدایت ________________________

فون نمبر ____________ دستخط ____________

خالد مغل

نیولا، سانپوں کا شکاری

نیولا ایک بہادر اور خوبصورت جانور ہے۔ اس کی بہادری اور جوانمردی کا یہی ثبوت کیا کم ہے کہ خطرناک زہر والے سانپوں اور اژدہوں سے وہ بے خوف و خطر لڑ جاتا ہے اور اس جنگ میں فتح اکثر نیولے کی ہوتی ہے۔

اَسرار و عجائب سے بھری اس کائنات میں نیولا بھی ایک پراسرار شے ہے۔ سانپ اور نیولے کے درمیان ازلی دشمنی چلی آ رہی ہے ایسے ایسے خطرناک سانپ کہ جن کا کاٹا پانی نہیں مانگتا نیولے کو دیکھ کر راستہ کترا کر گزر جاتے ہیں اور اکثر اس کی شوخیوں اور شرارتوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اس کا مزاج بھی عجیب وغریب ہے۔ یہ عموماً گرمیوں میں نظر آتا ہے اور سردیوں کے موسم میں زیادہ تر وقت اپنے بِل میں سو کر گزار دیتا ہے۔ خزاں کا موسم شروع ہوتے ہی یہ کھانے کی بڑی بڑی چیزیں نگلنا شروع کر دیتا ہے جو چکنائی بنا کر اس کے جسم میں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ فطرت نے اس کے جسم کی ساخت کچھ ایسی بنائی ہے کہ جو کچھ یہ کھاتا ہے وہ فوراً ہی ہضم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی مرضی کے مطابق کافی مدّت تک آہستہ آہستہ نظامِ ہضم میں شامل ہو کر معدے میں پہنچتا رہتا ہے اس لحاظ سے اسے اونٹ کا ہم فطرت قرار دیا جا سکتا ہے۔

خزاں کے آغاز میں ہی یہ کسی پرانے درخت کی کھوہ میں درخت کے پتّوں اور جھاڑ جھنکاڑ کی مدد سے چھوٹا سا گھر بنانا شروع کر دیتا ہے اور یہ گھر مکمّل ہوتے ہی وہ اس گھر میں داخل ہو کر لمبی نیند میں چلا جاتا ہے جو اکثر کئی کئی ماہ لمبی ہوتی ہے۔

اتنی لمبی استراحت کے دوران اس امر کا بھی امکان ہوتا ہے کہ نیولے کے دل کی دھڑکن بہت سُست ہو جائے یا بالکل ہی بند ہو جائے اور وہ دارِ فانی سے کوچ کر جائے۔ فطرت نے اس خطرے سے نمٹنے کے لئے اسے کچھ فاضل خصوصیات سے نوازا ہے۔ جو دوسرے جانوروں میں عام طور پر نہیں پائی جاتی ہے۔ نیند کے دوران اگر اس کے دل کی دھڑکن سُست ہو جائے تو اس کے جسم میں ذخیرہ کی ہوئی چکنائی دورانِ خون میں شامل ہو کر قوّت وحرارت بخش دیتی ہے۔

جب ٹُنڈ مُنڈ درختوں پر رنگ برنگے پتّے اُگ آتے ہیں اور کوئلیں اور چڑیاں چہک چہک کر بہار کی آمد کا اعلان کرتی ہیں تو نیولا بھی اپنی لمبی نیند سے جاگ جاتا ہے۔ اس وقت تک اس کے جسم میں جمع شدہ چکنائی اور قوّت وحرارت ختم ہو چکی ہوتی ہے اس کمی کو پورا کرنے اور نئی طاقت حاصل کرنے کے لئے وہ رات کے اندھیرے میں اپنے بِل سے نکلتا ہے اور شکار تلاش کرتا ہے اس کا شکار عموماً موذی اور خطرناک جانور اور حشرات الارض ہوتے ہیں۔ مثلاً گرگٹ، چوہے، سانپ اور مینڈک وغیرہ۔

شکار کی تلاش کے دوران اکثر سانپ اور نیولے کے درمیان ٹھن جاتی ہے اور اگر دونوں ہی لڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو وہ منظر قابلِ دید ہوتا ہے دونوں ہی بے جگری سے لڑتے ہیں اور مقابل کو چت کرنے کے لئے اپنے داؤ پیچ آزماتے ہیں۔ سانپ کو لڑائی میں اپنے زہریلے ڈنک کی وجہ سے فوقیت حاصل ہوتی ہے لیکن اس کمی کو نیولا اپنی بہادری، پھرتی اور چالاکی سے پورا کرتا ہے وہ اپنے تیز نوکیلے اور مضبوط دانت سانپ کی کھال میں گاڑ دیتا ہے اور اسے اُدھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن اس دوران اگر سانپ کے ڈنک کی زد میں آجائے یا سانپ اس کے جسم کے گرد لپیٹ جانے میں کامیاب ہو جائے تو وہ اس زور سے نیولے کو اپنے شکنجے میں کستا ہے کہ

اس ہڈی پسلی ایک ہو جاتی ہے۔ سانپ کے اس وار کا بھی نیولے کے پاس علاج موجود ہے اس کے سارے جسم پر نوکیلے اور لمبے لمبے خار ہوتے ہیں جو عام طور پر جسم کے متوازی اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں. خطرہ محسوس ہوتے ہی نیولا ان کانٹوں کو نکال لیتا ہے اور سانپ سے جنگ کی صورت میں یہ اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتے ہیں۔

سانپ پر فتح یاب ہونے کے بعد نیولا بڑے مزے سے اس کے گوشت سے ضیافت اڑاتا ہے وہ سانپ کے مردہ جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے اور پھر آرام سے دُم کی طرف سے کھانا شروع کرتا ہے۔

نیولے کی مادہ ایک جھول میں عموماً چار یا پانچ بچے جنتی ہے۔ نیولوں کی پیدائش عموماً خزاں کے موسم میں ہی ہوتی ہے۔ نیولے کے بچے پیدائش کے وقت بہت چھوٹے ہوتے ہیں ان کے جسم پر سفید رنگ کے ملائم کانٹے ہوتے ہیں جو عمر کے ساتھ ساتھ سخت ہوتے ہیں۔ ان کی ماں ہی ان کی دیکھ بھال اور پرورش کرتی ہے وہ ہر وقت ان کے پاس موجود رہتی ہے۔ انہیں اپنا دودھ پلاتی ہے۔ غذا تلاش کر کے لاتی ہے اور انہیں کھلاتی ہے۔ سردی سے بچاؤ کے لئے گھاس پھوس اور خشک پتوں سے ڈھانپ کر رکھتی ہے۔

دو ہفتوں کی عمر کے بعد نوزائیدہ نیولے آنکھیں کھولنے کے قابل ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ رینگنا شروع کر دیتے ہیں اور چھ ہفتوں تک پوری طرح چلنا سیکھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی ماں انہیں اپنے ساتھ باہر لے جاتی ہے اور جنگل کے ماحول سے رُوشناس کراتی ہے۔ اس موقع پر وہ انہیں دودھ پلانا بند کر دیتی ہے اور چھوٹے موٹے جانور اور حشرات الارض شکار کر کے انہیں کھلاتی ہے اور خود بھی کھاتی ہے۔ دو ڈھائی ماہ کی عمر میں نیولے کے بچے چھوٹا موٹا شکار کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور تھوڑے ہی عرصے میں مکمل طور پر خود مختار ہو جاتے ہیں۔

فطرت نے اس خوبصورت جانور میں جرأت و ہمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ اپنے سے کئی گنا بڑے جانور پر بھی بے دھڑک حملہ کر دیتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

مچھلی پانی نہیں پیتی

مچھلی جو چیزیں کھاتی ہے، اُنہی کی نمی پر گزارہ کرتی ہے۔ پانی بالکل نہیں پیتی اگرچہ اس کی زندگی پانی میں گزرتی ہے۔ پانی اس کے منہ میں ضرور جاتا ہے لیکن گلپھڑوں میں سے گزر کر باہر نکل جاتا ہے جس طرح ہم سانس لیتے وقت ہوا اندر کھینچتے ہیں پھر اسے باہر نکال دیتے ہیں اسی طرح مچھلی ایک سانس میں پانی اندر کھینچتی ہے، دوسرے سانس میں اُسے باہر نکال دیتی ہے۔

مرسلہ: محمد نعیم شفیع، احمد پوری گیٹ، بہاولپور

آپ اور آپ کے اہلِ خانہ کے لئے
گرین گائیڈ اکیڈمی کے تحائف

راہنما کتابیں

ان کا مطالعہ۔ علم بڑھائے گا
ان کی موجودگی مفید ثابت ہوگی

قرآنی حکایات کا

۱۰۴ صفحات

پر مشتمل خوبصورت مجموعہ
اس کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر ارسال کیجئے

خاکِ وطن سے سرزمینِ حرم تک

معلومات بھی — راہنمائی بھی
حجاج اور زائرین کے لئے نادر تحفہ — ۲۰۳ صفحات
اس کتاب کے لئے ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کیجئے

اسلام کی بنیادی معلومات

۴ حصے

جو آپ پر سیکھنا لازم اور سکھانا کارِ ثواب ہے
تالیف: مفتی کفایت اللہ صاحبؒ
تعلیم الاسلام مفت حاصل کرنے کے لئے فی کتاب ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کیجئے

پتہ: گرین گائیڈ بک سیریز۔ گرین گائیڈ اکیڈمی
ڈی — ۱۱۲ — نورس روڈ سائٹ، کراچی۔۱۶

امِ رباب جعفری

دائرۂ معلومات

ہر سوال کا جواب ذیل میں دیے گئے چار اشاروں کی مدد سے دینا ہوگا۔ آپ کی سہولت کے لیے ہم نے ہر سوال کے درست جواب کو دائرے میں ہی کہیں لکھ دیا ہے اور کچھ اضافی نام بھی ساتھ ہی لکھ دیے ہیں۔ جن کا سوال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مقابلے میں شرکت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دائرے میں اپنے مطلوبہ جواب پر سوال نمبر لکھ دیجیے اور اصل دائرہ کاٹ کر ۲۰ فروری تک ہمیں بھیج دیجیے۔ دائرے کے بغیر جواب قابلِ قبول نہیں ہوں گے۔

① انبیائے کرام	(i) مدین (ii) خطیب الانبیاء (iii) حضرت موسیٰ (iv) شیخ الانبیاء
② صحابہ کرام	(i) جندب (ii) قبیلۂ غفار (iii) ۶۳۲ (iv) الذبدہ
③ تاریخ اسلام	(i) عبدالرحمٰن (ii) بابائے عمرانیات (iii) مقدمہ (iv) ۱۴۰۶ھ
④ تاریخ پاک و ہند	(i) شہاب الدین غوری (ii) مسجد قوت الاسلام (iii) چوگان (iv) لاہور
⑤ تحریک پاکستان	(i) ۱۸۹۴ء (ii) گورنر جنرل (iii) وزیر اعظم (iv) ۱۹۶۴ء
⑥ پاکستان کی عظیم شخصیات	(i) ڈاکٹر ذاکر حسین (ii) بادشاہ (iii) جامعہ کراچی (iv) ۱۹۷۵ء
⑦ پاکستان کے شہر	(i) بندرگاہ (ii) سندھ (iii) دارالحکومت (iv) ڈی، جے کالج
⑧ عالم اسلام (شخصیات)	(i) ۱۹۰۱ء (ii) انڈونیشیا (iii) ۱۹۴۹ء (iv) ۱۹۷۰ء
⑨ عالم اسلام (ممالک)	(i) فرانس (ii) دودھ اور شہد کی سرزمین (iii) خانہ جنگی (iv) بیروت
⑩ دنیا کے بڑے شہر	(i) نیو ایمسٹرڈیم (ii) مجسمۂ آزادی (iii) ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ (iv) اقوام متحدہ
⑪ عالمی شخصیات (۱)	(i) عوامی جمہوریہ چین (ii) وزیر اعظم (iii) ۱۹۵۸ء (iv) ۱۹۷۶ء

(۱۲) عالمی شخصیات (۲)	(i) سقراط (ii) اکادمی (iii) ری پبلک (iv) ارسطو
(۱۳) مشہور خواتین	(i) ۱۴۱۲ء (ii) فرانس (iii) راہبہ (iv) ۱۴۳۱ء
(۱۴) مسلم سائنسدان	(i) مدینۃ الزہرا (ii) التصریف (iii) قرطبہ (iv) ۱۰۰۴ء
(۱۵) سائنس کی دنیا	(i) چیچک کا ٹیکہ (ii) حمّی فیس (iii) سینٹ جارج ہسپتال (iv) ۱۸۲۳ء
(۱۶) مشہور کھلاڑی	(i) ۱۰ دسمبر ۱۹۶۳ء (ii) روشن خان (iii) کراچی (iv) راس نارمن
(۱۷) عالمی ادب	(i) روس (ii) جرم و سزا (iii) برادرز کراموزوف (iv) ۱۸۸۱ء
(۱۸) اردو ادب	(i) نقشِ فریادی (ii) سیالکوٹ (iii) سارے سخن ہمارے (iv) ۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء
(۱۹) علاقائی ادب	(i) جنڈیالہ شیر خان (ii) بھاگ بھری (iii) ہیر رانجھا (iv) ۱۷۹۸ء
(۲۰) فنون لطیفہ	(i) ہالینڈ (ii) مصور (iii) ۱۶۰۶ء (iv) ۱۶۶۹ء

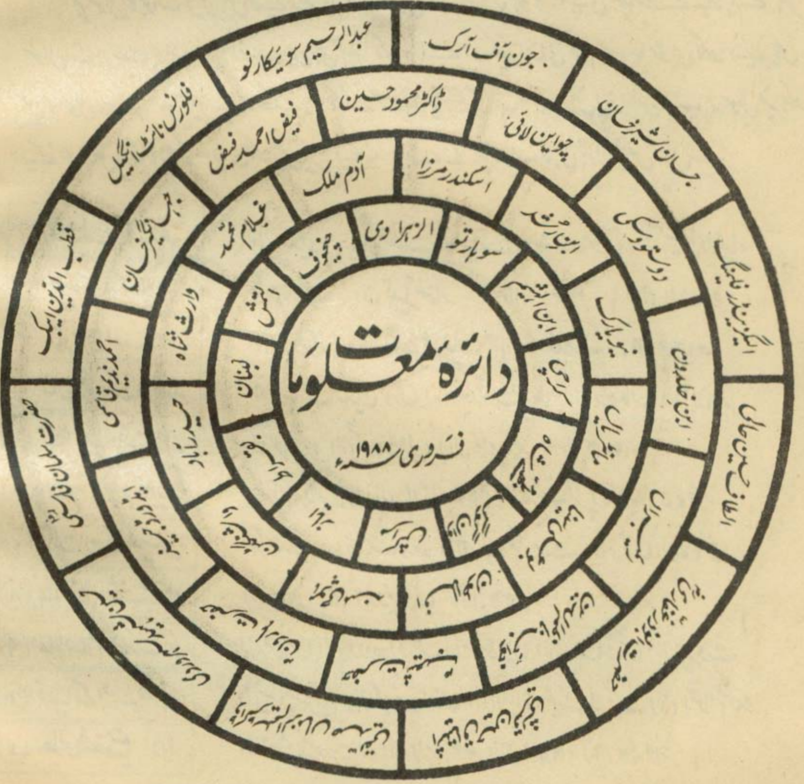

دائرہ معلومات دسمبر ۱۹۸۷ء کا درست حل

(۱) حضرت یعقوبؑ (۲) حضرت بلالؓ (۳) سلطان محمد فاتح (۴) حیدر علی (۵) سردار عبدالرب نشتر
(۶) زیڈ اے بخاری (۷) ملتان (۸) معمر القذافی (۹) بنگلہ دیش (۱۰) جنیوا
(۱۱) ہٹلر (۱۲) جارج واشنگٹن (۱۳) ملکہ وکٹوریہ (۱۴) ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی
(۱۵) مائیکل فیراڈے (۱۶) پیلے (۱۷) جارج برنارڈ شا (۱۸) الطاف حسین حالی
(۱۹) سچل سرمست (۲۰) بیتھوون

۳ خوش نصیب ساتھی، جو بذریعہ قرعہ اندازی انعام کے حقدار قرار پائے

(۱) انجم شہزاد ———— میرپور، آزاد کشمیر
(۲) نعمت اللہ سومرو ———— قادر بخش ساند، تھارو شاہ
(۳) روبینہ احمد ———— لیاقت آباد، کراچی

درست جوابات ارسال کرنے والے ذہین ساتھیوں کے نام

، خرم عبدالحمید بٹ ، گلشن اقبال، کراچی ، اسمٰعیل عبدالرحمٰن، میٹھادر، کراچی ، مرزا توصیف بیگ، شاہی بازار حیدرآباد
، عاصم عبدالحمید بٹ " " ، پشکلائی پڑھانانی، اسٹیشن روڈ نوں کوٹ ، مولا بخش بلوچ، ملیر، کراچی
، عبدالمجید بٹ " " ، ندیم میمن، فقیر کا پڑ حیدرآباد ، اللہ دتہ عطیل، کوٹ گوہر محمد ضلع خانیوال
، مدثر مقصود لیاقت آباد کراچی ، رحمت اللہ سومرو، ساند، تھارو شاہ ، انیلا تسلیم احمد، ملتان
، حسن شہید خالد، ریلوے اسٹیشن، حیدرآباد ، عنبرین گلزار علی، گارڈن ویسٹ کراچی حمیرا فلک ناز مریم، ایف بی ایریا کراچی
، ماہر علی احمد، بفرزون، نارتھ کراچی ، تصویر زہرا، لیاقت روڈ، راولپنڈی محمد موسیٰ سومرو، سیٹلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ
، عبدالباسط محمد انور، فیڈرل بی ایریا، کراچی ، عادل مجید سونی، آدم جی نگر، کراچی ندیم آفاق، ملیر کالونی، کراچی
، محمد امین سیف الملوک، حسینی منزل، سانگھڑ ، بصیر الدین گاہوٹی، طالب المولیٰ کالونی ہالانیو سعید احمد چوہان، بلدیہ ٹاؤن، کراچی
، محمد اشرف قریشی، لیاقت مارکیٹ، سانگھڑ ، جاوید اقبال ناز، اقبال نگر فیصل آباد عبداللہ ریاض طلحہ ریاض، فریئر روڈ کراچی
، محمد کامل، شاہی بازار، ٹنڈو اللہ یار ، ناصر احسن خان، کارساز کراچی راشدہ علی محمد، پاکستان چوک، کراچی

صباحت ثاقب، منگھوپیر روڈ، کراچی
منصور احمد، گڑھی شاہو، لاہور
ظفر اقبال سومرو، ساند تھارو شاہ

ثمرین شہزاد، منگھوپیر روڈ، کراچی
کاشف شکور غزل، نظامانی روڈ، سانگھڑ

عاکف عالم خان، منگھوپیر روڈ، کراچی
سیدہ جاوید حیدر شاہ، سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

ایک غلط جواب ارسال کرنے والے ساتھیوں کے نام

عباس فیروز، نارتھ ناظم آباد، کراچی
خالد حمید، گلشن راوی، لاہور،
لبنیٰ بشیر، پولیس ہیڈ کوارٹر، حیدرآباد
میر صفدر علی، سرسید ٹاؤن، نارتھ کراچی
فیضان عثمانی، لانڈھی نمبر ا کراچی
نفیس احمد، چھوٹکی گٹی، حیدرآباد

غلام مصطفیٰ میمن، شاہی بازار، شاہپور چاکر
شاہ کریم عطار، دستگیر کالونی، کراچی
حامد علی شاہ، محلہ بھنگیاں، لاوہ
سارہ سجاد، نوتھیا روڈ، پشاور کینٹ
منیر الرحمٰن ولد عبدالرحمٰن، علاقہ گنج، پشاور
نعمان اعجاز، گلشن اقبال، کراچی

شارق شمیم، آگرہ تاج کالونی، کراچی
محمد عرفان، ٹھٹھائی کمپاؤنڈ، کراچی
جاوید شیخ، ملیر ہالٹ، کراچی
محمد انور میمن، شاہی بازار، شاہپور چاکر
غلام حسین میمن، کھائی روڈ، حیدرآباد
کوکب بزمی، سعود آباد ملیر، کراچی

حق اسکواڈ
ماہنامہ آنکھ مچولی کا مقبول ترین سلسلہ تحریر
اخلاق احمد کی مہماتی کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ

کتابی صورت میں شائع ہوگیا ہے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں

- برائیوں سے برسرِ پیکار ۴ کمسن مجاہدوں کے کارنامے ـ
- ذہانت اور شجاعت سے بھرپور حیرت انگیز واقعات ـ
- خوبصورت اسکیچز ــــ بہترین کتابت ــــ اعلیٰ طباعت
- حسین سرورق اور ۱۰۰ سے زائد صفحات ـ

قیمت صرف ۱۰ روپے

ـــ حق اسکواڈ کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر بھجوادیں ـ
ـــ دوکاندار/ایجنٹ حضرات آرڈر سے مطلع کریں ـ

پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی - ۱۱۲ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

انکل آئی کیو روبوٹ

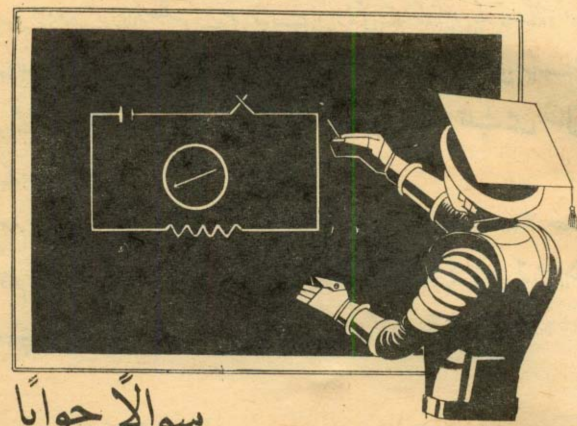

سوالاً جواباً

● سگریٹ نوشی کے مضر اثرات کیا ہیں؟ محمد اکرم سیالوی۔ تحصیل تکانہ صاحب

سگریٹ نوشی کے بہت سے مضر اثرات ہیں۔ ماہرین کے مطابق سگریٹ میں استعمال ہونے والے تمباکو کا ایک اہم جز نکوٹین ہے جو انسانی صحت کے لیے زہر کی طرح ہے۔ جب کوئی شخص سگریٹ کا کش لے کر دھواں اپنے اندر کھینچتا ہے تو دھواں ہمارے اندرونی اعضا پر جمنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کی ایک موٹی تہہ جم جاتی ہے۔ جس سے بہت سی مہلک بیماریاں لگ جانے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً پھیپھڑے کا سرطان۔ حلق کا سرطان اور زبان کا سرطان وغیرہ۔ اس طرح سگریٹ ایک ایسی بلا ہے جو نہ صرف ہمارے پیسے کا زیاں ہے بلکہ ہماری صحت کا بھی۔

● دنیا کی سب سے قیمتی دھات کون سی ہے؟ منیر احمد فاضل۔ لاہور

دنیا کی سب سے قیمتی دھات پلاٹینم ہے۔ یہ ایک سفید رنگ کی دھات ہے جسے ایک ہسپانوی ریاضی داں انتونیوڈی یولوآ اور ایک برطانوی میٹلر جسٹ چارلس وُڈ نے جنوبی امریکہ میں اس کے ذخائر دریافت کیے تھے۔ یہ اٹھارھویں صدی کے وسط کا ذکر ہے۔ اِس وقت روس، فن لینڈ، آئرلینڈ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، برازیل، مڈغاسکر اور جنوبی افریقہ میں اس کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔

● انکل، چاند میں روشنی کہاں سے آتی ہے؟ محمد غلام حسین میمن۔ کھائی روڈ۔ حیدرآباد

چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہوتی بلکہ سورج کی روشنی چاند سے منعکس ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں یہ چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ گویا چاند کے چمکنے میں سورج بھیا کی مہربانی کو دخل ہے۔ اسی طرح جو خلانورد چاند پر گئے ہیں انھیں زمین

بھی چاند کی طرح روشن دکھائی دی۔ یعنی زمین بھی سورج کی روشنی کو منعکس کرتی ہے۔

● کیا نظامِ شمسی کے کسی سیارے میں زندگی کے آثار ہیں؟ پرنس زرتاج احمد۔ لیاقت آباد۔ کراچی

اب تک سوائے زمین کے نظامِ شمسی کے کسی سیارے میں زندگی کے آثار نہیں پائے گئے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ زندگی کے لیے ہوا یعنی آکسیجن اور پانی اہم ترین ضرورت ہیں۔ جبکہ نظامِ شمسی کے کسی بھی سیارے میں یہ دونوں عناصر نہیں پائے گئے' البتہ ماہرین کا خیال ہے کہ مریخ کی فضا دیگر سیاروں کے مقابلے میں انسانی رہائش کے لیے زیادہ آسانی کے ساتھ سازگار بنائی جا سکتی ہے۔

● سردی کا موسم آتے ہی مینڈک کہاں غائب ہو جاتے ہیں؟ محمد سعید گلاب۔ کورنگی۔ کراچی

سردی کا موسم مینڈکوں کے آرام کا موسم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس موسم کے شروع ہوتے ہی مینڈک تالاب یا جھیل کی سطح سے نیچے کیچڑ میں چلے جاتے ہیں اور پورا موسم سرمائیوں ہی گزار دیتے ہیں اس عمل کو HIBERNATION. کہتے ہیں۔

● استعمال میں آنے والی بجلی کتنی قسم کی ہوتی ہے؟ پرنس آف اسلام۔ بورا روڈ۔ میاں چنوں

عام طور پر بجلی دو قسم کی ہوتی ہے۔ گھروں میں استعمال کے لیے جو بجلی ہوتی ہے وہ ۲۲۰ روولٹ کی ہوتی ہے اور اسے آلٹرنیٹ کرنٹ ALTERNATE CURRENT کہا جاتا ہے۔ اس کا کرنٹ لگنے سے انسان کو زوردار جھٹکا لگتا ہے اور وہ دور جا گرتا ہے۔ دوسری قسم کی بجلی جسے ڈائرکٹ کرنٹ DIRECT CURRENT. کہتے ہیں یہ عام طور پر بڑے کارخانوں یا بجلی کی ہائی پاور ٹرانسمیشن لائن میں ہوتی ہے اس کا کرنٹ انسان یا کسی بھی جاندار کو اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک اس کی جان نہ نکل جائے۔

● انکل یہ دُبِ اکبر کیا ہوتا ہے؟ جاوید اختر انصاری۔ اورنگی ٹاؤن۔ کراچی

آج جب سورج غروب ہو جائے اور رات کی تاریکی چھا جائے تو آپ آسمان پر جنوب کی جانب نظر ڈالیے گا آپ کو اُردو کے حرف "ک" کی مانند ستاروں کا ایک جھرمٹ نظر آئے گا۔ یہی دُبِ اکبر ہے۔

● کیا حالتِ نیند میں انسانی ذہن بیدار رہتا ہے؟ حسن مہدی خراسانی۔ انچولی کراچی

بھئی، انسان جاگ رہا ہو یا سو رہا ہو' ہر صورت میں اس کا ذہن نہ صرف یہ کہ جاگتا ہے بلکہ اعضا کو کنٹرول بھی کرتا ہے۔ نیند کی حالت میں ہم کروٹ بدلتے ہیں، سانس لیتے ہیں، ہاتھ پاؤں چلاتے ہیں غرض یہ سب کچھ ہمارے دماغ کی بیداری کا کرشمہ ہے۔

● ایٹم کا نظریہ کس نے پیش کیا تھا؟ شاہ کریم عطا۔ کراچی

ایٹم کا نظریہ ردر فورڈ نے پیش کیا

● بیسویں صدی کی کچھ اہم ایجادات کے نام بتائیں؟ سیّد جاوید حیدر شاہ۔ راولپنڈی

بیسویں صدی ایجادات اور ترقی کی صدی ہے۔ یُوں تو اس صدی میں بہت سی چیزیں ایجاد ہوئیں مگر خاص خاص ایجادات یہ ہیں۔ ہوائی جہاز، ٹینک، میزائل، ایٹم بم، ریڈیو، ٹیلیویژن، راکٹ، وی سی آر، کمپیوٹر، اسکینر، الٹرا ساؤنڈ مشین، مصنوعی سیّارے، ریڈار، آبدوز، مُووی کیمرہ، مشینی انسان یعنی روبوٹ، پولی گراف یعنی لائی ڈیٹیکٹر، ٹیپ ریکارڈر، ایکسرے مشین وغیرہ۔

● جنریٹر کیا ہوتا ہے اور یہ کس کام آتا ہے؟ محمّد عامر ایان۔ لطیف آباد۔ حیدر آباد

لفظ جنریٹ کے لغوی معنی "بنانے" کے ہیں۔ اس لیے جنریٹر ایسی کسی چیز کا نام ہے جو کچھ بناتی یا پیدا کرتی ہے۔ عام طور پر جنریٹر سے بجلی حاصل کی جاتی ہے۔ یہ پیٹرول اور ڈیزل دونوں سے چلتا ہے۔

● الکل ہوائی جہاز میں سفر کرتے وقت فاؤنٹین پین سے سیاہی نکال دینے کی ہدایت کیوں کی جاتی ہے۔

وقار احمد تربیلوی۔ ھری پور ھزارہ

بھئی اس کی وجہ یہ ہے کہ فضا میں ہوا کا دباؤ بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے اگر فاؤنٹین پین سے سیاہی نہ نکالی جائے تو یہ خود بخود ہوا کے دباؤ سے باہر نکل آتی ہے۔ امید ہے کہ اپنے ہوائی سفر میں آپ یہ بات یاد رکھیں گے۔

● کرونو میٹر کیا ہوتا ہے؟ پرنس وسیم بن اشرف۔ میاں چنوں

اس سے مراد "وقت پیما" ہے۔ یعنی وہ آلہ جو بالکل صحیح وقت بتائے۔ یہ آلہ اٹھارھویں صدی کے اوائل میں ایک انگریز بڑھئی جان ہیریسن نے تیار کیا تھا۔ اس اہم ترین ایجاد پر حکومتِ برطانیہ نے جان ہیریسن کو بیس ہزار پونڈ کی رقم انعام کے طور پر پیش کی تھی۔

آنکھ مچولی کے پرانے شمارے کیسے منگائیں؟

ہمیں بے شمار بچّوں کے ایسے خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں جن میں انہوں نے "آنکھ مچولی" کے پرانے شمارے بھیجنے کی فرمائش کی ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی "آنکھ مچولی" کی البم مکمّل کر سکیں۔ جو ساتھی پرانے شمارے منگانا چاہتے ہیں وہ فی شمارہ ۵ روپے اور سالنامہ و خاص نمبر ۱۰ روپے کی شرح سے ماہنامہ "آنکھ مچولی" کے پتہ پر منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر روانہ کریں۔ انہیں مطلوبہ شمارے فوراً روانہ کر دیئے جائیں گے۔

اپنی غفلت کی وجہ سے اس نے یہ خرابی ٹھیک نہیں کروائی ... کی وجہ سے اس کا حال مزید بر ہوا

تھا۔ پھر بھی وہ ہمت سے کام لے کر تیز تیز پیڈل چلا رہا تھا۔ مگر سائیکل کی رفتار کم اور اس کی کھڑکھڑاہٹ زیادہ تھی۔

"اے لڑکے! بات سنو" عقب سے کسی نے اُسے پکارا اُس نے مڑکر دیکھا ایک شخص اُسے ہاتھ کے اشارے سے رُکنے کو کہہ رہا تھا۔ ارسلان نے آس پاس دیکھا۔ سڑک پر ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ڈر گیا اور تیز تیز پیڈل مارتا ہوا سائیکل آگے بھگانے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ بار بار پلٹ کر دیکھ بھی رہا تھا۔ وہ شخص اس کے پیچھے دوڑنے لگا تھا۔ اور اس سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ارسلان کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ سائیکل اس کے ہاتھ سے بے قابو ہو گئی اور وہ اُچھل کر نیچے جا گرا۔ اس کا سر بڑی زور سے پُختہ سڑک سے ٹکرایا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

ارسلان کو جب ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر کے ایک کمرے میں پڑا ہے اس کے سر پر موٹی سی پٹّی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے گرد اس کے امّی ابّو اور محلّے کے کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ اُسے ہوش میں آتے دیکھ کر امّی اس کے قریب ہوئیں اور اُس کے رُخسار پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں: "اب کیسا ہے میرا بیٹا!"

"ٹھیک ہوں" ارسلان نے دھیرے سے جواب دیا۔

"یہ سب تمھاری اپنی غفلت کی وجہ سے ہُوا ہے، بیٹا! اگر تم سائیکل ٹھیک کروالیتے تو یہ حادثہ کیوں ہوتا" اس کے ابّو سرزنش کرنے والے انداز میں بولے۔

"مگر ابّو! وہ شخص..."! بولتے بولتے ارسلان ڈر کر چُپ ہو گیا۔

"وہ شخص تو تمھیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تمھاری سائیکل ٹوٹنے والی ہے۔ مگر تم نہ جانے کیا سمجھے کہ ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہی شخص تمھیں زخمی حالت میں اُٹھا کر لوگوں سے پوچھتا پاچھتا یہاں تک لایا" ابّو نے وضاحت کی۔ ارسلان کے منہ سے بے اختیار ایک اطمینان بھری سانس خارج ہو گئی۔

"واقعی اگر میں غفلت نہ کرتا تو یہ حادثہ نہ ہوتا!" اس نے سکون سے آنکھیں موندتے ہوئے اپنے آپ سے کہا اور ہمیشہ کے لیے غفلت سے توبہ کر لی۔

طوطا

آصف اقبال—کراچی

ایک تھا بنیا گول مٹول
پیٹ تھا اُس کا جیسے ڈھول
کبھی نہ کرتا سچّی بات
کبھی نہ دیتا پوری تول
اُس کے پاس تھا اِک طوطا
باتیں جس کی تھیں انمول
اِک دن بنیئے سے طوطا
بولا بنیئے کم ہے تول
بنیئے کو غصّہ آیا
اور دیا پھر پنجرہ کھول
طوطا یوں آزاد ہُوا
جنگل پھر آباد ہُوا

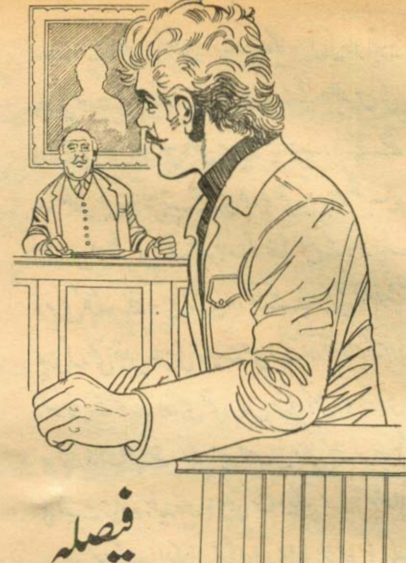

فیصلہ

محبوب انجم ـــــ کراچی

دسمبر کی ایک سرد اور تاریک رات تھی، کہر کی وجہ سے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ پُرہول سناٹے میں صرف جھینگروں کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ اچانک ایک بنگلے کے کونے سے ایک سایہ نمودار ہوا۔ رات کی تاریکی اور کہر کی وجہ سے اس کی پہچان ناممکن تھی۔ اس وحشتناک تاریک رات میں اس کی موجودگی حیرت انگیز تھی۔ شدید سردی میں کالونی کے مکین تو سو ہی رہے تھے، ان کے بنگلوں کی حفاظت کرنے والے دیو قامت کتے بھی کونوں کھدروں میں دُبکے ہوئے تھے۔

وہ سایہ بغیر آواز کے چلتا ہوا ایک بنگلے کی پُشت پر پہنچا اور دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا۔ اندر داخل ہوکر اُس نے راہداری عبور کی اور ایک کمرے کی کھڑکی بڑے ماہرانہ انداز میں اس طرح کھولی کہ ذرا بھی آواز پیدا نہیں ہوئی۔ کھلی کھڑکی سے اندر کود کر اُس نے پنسل ٹارچ روشن کرلی اور محدود روشنی میں دیواریں ٹٹولنے لگا۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ تجوری اس کے سامنے تھی۔ اُس نے تجوری سے ساری نقدی اور زیورات اپنے ساتھ لائے ہوئے تھیلے میں منتقل کیے اور باہر آکر پہلے کی طرح بنگلے کی عقبی دیوار سے چھلانگ لگائی۔

اچانک رات کے سناٹے میں گولیوں کی آواز گونجی اور وہ پُراسرار سایہ ایک دردناک چیخ کے ساتھ نیچے گر گیا۔ تیزی سے اُٹھ کر اُس نے تھیلے کو بغل میں دبایا اور لنگڑاتا ہوا ایک سمت بھاگ نکلا۔ جیسے ہی وہ سڑک پر پہنچا اچانک دو آدمیوں نے اُسے جکڑ لیا۔ اس نے اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی بھرپور کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ زخمی ہونے کی وجہ سے اس پر نقاہت طاری ہو رہی تھی بے ہوش ہونے سے قبل اس کی سماعت سے بھاری بوٹوں کی آواز ٹکرائی جس نے اس کے ذہن میں تلاطم برپا کردیا۔ اس کا ذہن چیخ اُٹھا "پولیس۔ پولیس!" اور وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوگیا۔

جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے خود کو اسپتال کے ایک کمرے میں پایا۔ اس کے دونوں ہاتھ پلنگ سے جکڑے ہوئے تھے۔ البتہ اس کی زخمی ٹانگ آزاد تھی۔ اس نے بے خیالی میں اُٹھنے کی کوشش کی تو ایک دردناک آہ اُس کے منہ سے نکل گئی، جسم کو حرکت دینے سے اس کی ٹانگ کے زخم سے ایک زبردست ٹیس اُٹھی تھی۔

وہ حیران تھا کہ اتنی احتیاط کے باوجود وہ پولیس کے

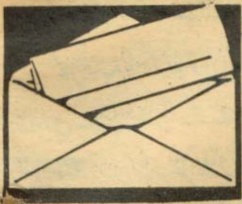

آؤ ملائیں ہاتھ

رضوان اکرم، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ اچھی کتابیں پڑھنا
بڑے ہو کر سی ایس پی آفیسر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگلش
معرفت پرنسپل صاحب، پبلک اسکول، حیدرآباد

علی فراز، دس سال
جماعت ششم، مشغلہ کھیل کود
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
معرفت پرنسپل صاحب، پبلک اسکول حیدرآباد

سیّد عطا محمد، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ کتابیں پڑھنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
گورنمنٹ ماڈل مڈل اسکول، ہری پور، ہزارہ

عبدالعظیم انصاری، پندرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ قلمی دوستی
بڑے ہو کر اچھا شہری بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
اردو بک سیلرز، غلام محمد آباد ـــــ فیصل آباد

محمد وسیم مغل، پندرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگریزی
ملّو بھائی جنرل اسٹور غریب آباد روڈ، ـــــ میرپورخاص

نور الاسلام، دس سال
جماعت پنجم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر کرکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
محمد سلیمان اینڈ محمد الیاس میڈیکل اسٹور، جیوانی بلوچستان

عمران اختر، چودہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو حساب
رامسوامی ٹاور، نالا بلڈنگ نمبر فلیٹ نمبر ۹ رامسوامی کراچی

ریاض احمد، چودہ سال
جماعت نہم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر ایس پی بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سندھی
مکان نمبر ۵۱۶/اے گلستان ہوٹل گلی، بیراج روڈ، سکھر

محمد خالد بلوچ، پندرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ فٹبال کھیلنا
بڑے ہوکر انجینیئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس،
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۶۱۔ حاجی ابراہیم ویلیج، کاٹھور، ملیر، کراچی

کامران نیاز، گیارہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس
مکان نمبر ۱۸/۱۱۶۶ عزیز آباد، ایف بی ایریا، ——— کراچی

جمیل احمد تبسم، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، ہاکی کھیلنا
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس
معرفت ڈاکٹر محمد اقبال، لودا روڈ، ——— میاں چنوں

عرفان عالم، بارہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر انجینیئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
۹/۴/۱ اے ۳، ناظم آباد، ——— کراچی

غلام سرور، تیرہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، قلمی دوستی
بڑے ہوکر انجینیئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
مکان نمبر ۱۳۶/۷ معرفت جمیل دودھ فروش، ٹنڈو الہ یار

غضنفر حسین، سولہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، کہانیاں لکھنا
بڑے ہوکر ائیر فورس میں جاؤں گا
پسندیدہ مضمون، اردو
کوارٹر نمبر ۲ بلاک نمبر ۱ جمشید روڈ، ——— پولیس لائن کراچی

غلام قادر، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ رسائل پڑھنا
بڑے ہوکر ایکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
وارڈ نمبر ۳ شاہ کمال روڈ محلہ، ضلع ٹھٹھہ ———

محمد مشتاق پرنس، پندرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، ریاضی
معرفت اسحاق صادق، محلہ غوثیہ پارک نزد شیزان فیکٹری، بندر روڈ لاہور

انصار خان، چودہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، رسائل پڑھنا
بڑے ہوکر کیا بنوں گا ابھی سوچا نہیں
پسندیدہ مضمون، معاشرتی علوم
مکان نمبر ۷/۲ بلاک اے یونٹ نمبر ۱۱ لطیف آباد حیدرآباد

جمیل احمد، سولہ سال
جماعت دہم، مشغلہ آنکھ مچولی پڑھنا
بڑے ہوکر انجینیئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، کیمیا
۱۱۳ ڈی پیپلز کالونی، ——— فیصل آباد

غفلت ہے بُری چیز

غلام رضا جعفری ——— کراچی

اچّھی عادتوں کی وجہ سے محلّے کا ہر شخص ارسلان کے گُن گاتا تھا۔ کوئی شخص ایسا نہ تھا، جس کے مُنہ سے ارسلان کے لیے اچّھے الفاظ نہ نکلتے ہوں۔ وہ بڑوں کا ادب کرتا، چھوٹوں سے شفقت سے پیش آتا۔ اپنے ہم عمروں سے خوش اخلاقی اور محبّت کا بھرپور مظاہرہ کرتا۔ اسکول میں بھی وہ ہر دلعزیز تھا۔ اساتذہ اُسے بہت پسند کرتے تھے اور دوسرے طلبا کو اس کی مثالیں دیتے تھے۔ وہ کبھی اسکول سے غیر ضروری چُھٹّی نہ کرتا۔ اتنی خوبیوں کے باوجود ارسلان میں ایک خامی یہ بھی تھی کہ وہ اکثر غفلت سے کام لیتا تھا جس کی وجہ سے ایک دن کا کام کئی کئی دن نہ ہو پاتا۔

"ارسلان بیٹا! تم نے اپنی سائیکل ٹھیک نہیں کروائی؟" اس کی کھڑکھڑاتی سائیکل کو دیکھ کر امّی بولیں۔

"کل بنوالوں گا۔" ارسلان نے جان چُھڑانے والے انداز میں کہا۔

"نہ جانے تمھاری یہ غفلت کی عادت کب جائے گی۔ کل نہیں، اسکول سے آکر آج ہی بنواؤ۔" امّی نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔ ارسلان سر ہلاتے ہوئے چلا گیا۔

ابّو سے ضد کر کے ارسلان نے سائیکل لے تو لی تھی۔ مگر اس کی دیکھ بھال بالکل نہ کرتا۔ جب وہ کہیں جانے لگتا تو کپڑے سے سرسری صفائی کر کے جان چُھڑا لیتا۔ سائیکل کے ایکسل کو اُکھڑے ہوئے پانچ روز ہو چلے تھے مگر حسبِ معمول اپنی غفلت کی وجہ سے اُس نے یہ خرابی ٹھیک نہیں کروائی

تھی اور سائیکل دن بدن خرابی کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔

ارسلان کھچ کھچ کرتی سائیکل کھینچے جا رہا تھا۔ سائیکل کا اگلا وہیل ڈول رہا تھا، پیڈل چین مڈگارڈ میں اٹک رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اُسے زیادہ طاقت لگانی پڑ رہی تھی۔ آگے جا کر اُس نے ایک ضعیف العمر شخص کے قریب سائیکل روک دی۔ ضعیف شخص کے سر پہ پانی سے بھرا ایک ٹین تھا جو اس سے سنبھالا نہیں جا رہا تھا۔ ٹین کے بوجھ کی وجہ سے اس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ ٹین ضعیف آدمی کے سر سے زمین پہ آگرتا، ارسلان نے تیزی سے آگے بڑھ کر اُسے پکڑ لیا۔ اس نے ٹین سائیکل کے کیریئر پر رکھا اور ضعیف آدمی کو بٹھا کر اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل دیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ اس شخص کے گھر پہنچ چکا تھا۔ ضعیف شخص کی بیوی نے ارسلان کو چائے پلائی اور ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ رُخصت کیا۔

ارسلان تھکن کے باوجود جیسے تیسے سائیکل کو دھکیل رہا تھا۔ تھکن سے زیادہ اُسے سائیکل کی خرابی پریشان کر رہی تھی۔ اوپر سے شدید گرمی کی وجہ سے اس کا حال مزید بُرا ہو رہا

تھا۔ پھر بھی وہ ہمت سے کام لے کر تیز تیز پیڈل چلا رہا تھا۔ مگر سائیکل کی رفتار کم اور اس کی کھڑکھڑاہٹ زیادہ تھی۔

"اے لڑکے! بات سنو" عقب سے کسی نے اُسے پکارا اُس نے مُڑ کر دیکھا ایک شخص اُسے ہاتھ کے اشارے سے رُکنے کو کہہ رہا تھا۔ ارسلان نے آس پاس دیکھا۔ سڑک پران دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ڈر گیا اور تیز تیز پیڈل مارتا ہوا سائیکل آگے بھگانے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ بار بار پلٹ کر دیکھ بھی رہا تھا۔ وہ شخص اس کے پیچھے دوڑنے لگا تھا۔ اور اس سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ارسلان کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ سائیکل اس کے ہاتھ سے بے قابو ہوگئی اور وہ اُچھل کر نیچے جا گرا۔ اس کا سر بڑی زور سے پختہ سڑک سے ٹکرایا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

ارسلان کو جب ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر کے ایک کمرے میں پڑا ہے اس کے سر پر موٹی سی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے گرد اس کے امّی ابّو اور محلّے کے کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ اُسے ہوش میں آتے دیکھ کر امّی اس کے قریب ہوئیں اور اُس کے رُخسار پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں "اب کیسا ہے میرا بیٹا؟"

"ٹھیک ہوں" ارسلان نے دھیرے سے جواب دیا۔

"یہ سب تمھاری اپنی غفلت کی وجہ سے ہُوا ہے، بیٹا! اگر تم سائیکل ٹھیک کروالیتے تو یہ حادثہ کیوں ہوتا" اس کے ابّو سرزنش کرنے والے انداز میں بولے۔

"مگر ابّو! وہ شخص۔۔۔" بولتے بولتے ارسلان ڈر کر چُپ ہوگیا۔

"وہ شخص تو تمھیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تمھاری سائیکل ٹوٹنے والی ہے۔ مگر تم نہ جانے کیا سمجھے کہ ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہی شخص تمھیں زخمی حالت میں اُٹھا کر لوگوں سے پوچھتا پاچھتا یہاں تک لایا" ابّو نے وضاحت کی۔ ارسلان کے منہ سے بے اختیار ایک اطمینان بھری سانس خارج ہوگئی۔

"واقعی اگر میں غفلت نہ کرتا تو یہ حادثہ نہ ہوتا!" اس نے سکون سے آنکھیں موندتے ہوئے اپنے آپ سے کہا اور ہمیشہ کے لیے غفلت سے توبہ کر لی۔

طوطا

آصف اقبال — کراچی

ایک تھا بنیا گول مٹول
پیٹ تھا اُس کا جیسے ڈھول
کبھی نہ کرتا سچّی بات
کبھی نہ دیتا پوری تول
اُس کے پاس تھا اِک طوطا
باتیں جس کی تھیں انمول
اِک دن بنیئے سے طوطا
بولا بنیئے کم ہے تول
بنیئے کو غصّہ آیا
اور دیا پھر پنجرہ کھول
طوطا یوں آزاد ہُوا
جنگل پھر آباد ہُوا

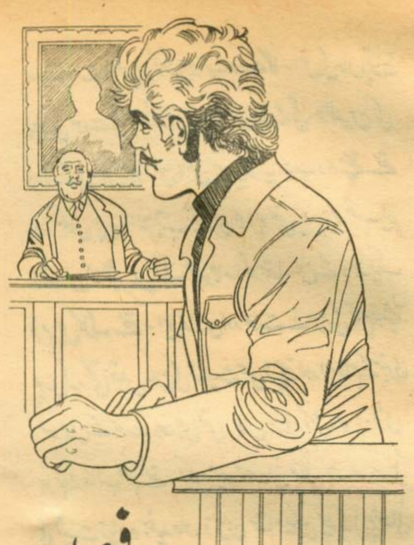

فیصلہ

محبوب انجم ــــــ کراچی

دسمبر کی ایک سرد اور تاریک رات تھی، کہر کی وجہ سے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ پُرہول سنّاٹے میں صرف جھینگروں کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ اچانک ایک بنگلے کے کونے سے ایک سایہ نمودار ہوا۔ رات کی تاریکی اور کہر کی وجہ سے اس کی پہچان ناممکن تھی۔ اس وحشتناک تاریک رات میں اس کی موجودگی حیرت انگیز تھی۔ شدید سردی میں کالونی کے مکین تو سو ہی رہے تھے، ان کے بنگلوں کی حفاظت کرنے والے دیوقامت کتّے بھی کونوں کھدروں میں دُبکے ہوئے تھے۔

وہ سایہ بغیر آواز کے چلتا ہوا ایک بنگلے کی پُشت پر پہنچا اور دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کُود گیا۔ اندر داخل ہو کر اُس نے راہداری عبُور کی اور ایک کمرے کی کھڑکی بڑے ماہرانہ انداز میں اس طرح کھولی کہ ذرا بھی آواز پیدا نہیں ہوئی۔ کُھلی کھڑکی سے اندر کُود کر اُس نے پنسل ٹارچ روشن کر لی اور محدود روشنی میں دیواریں ٹٹولنے لگا۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ تجوری اس کے سامنے تھی۔ اُس نے تجوری سے ساری نقدی اور زیورات اپنے ساتھ لائے ہوئے تھیلے میں منتقل کیے اور باہر آ کر پہلے کی طرح بنگلے کی عقبی دیوار سے چھلانگ لگائی۔

اچانک رات کے سنّاٹے میں گولیوں کی آواز گونجی اور وہ پُراسرار سایہ ایک دردناک چیخ کے ساتھ نیچے گر گیا۔ تیزی سے اُٹھ کر اُس نے تھیلے کو بغل میں دبایا اور لنگڑاتا ہوا ایک سمت بھاگ نکلا۔ جیسے ہی وہ سڑک پر پہنچا اچانک دو آدمیوں نے اُسے جکڑ لیا۔ اس نے اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی بھرپور کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ زخمی ہونے کی وجہ سے اس پر نقاہت طاری ہو رہی تھی بے ہوش ہونے سے قبل اس کی سماعت سے بھاری بوٹوں کی آواز ٹکرائی جس نے اس کے ذہن میں تلاطم برپا کر دیا۔ اس کا ذہن چیخ اُٹھا "پولیس۔ پولیس!" اور وہ ہوش وخرد سے بیگانہ ہو گیا۔

جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے خود کو اسپتال کے ایک کمرے میں پایا۔ اس کے دونوں ہاتھ پلنگ سے جکڑے ہوئے تھے۔ البتہ اس کی زخمی ٹانگ آزاد تھی۔ اس نے بے خیالی میں اُٹھنے کی کوشش کی تو ایک دردناک آہ اُس کے منہ سے نکل گئی جسم کو حرکت دینے سے اس کی ٹانگ کے زخم سے ایک زبردست ٹیس اُٹھی تھی۔

وہ حیران تھا کہ اتنی احتیاط کے باوجود وہ پولیس کے

اور قاس.....!

اچانک ایک چھناکا ہوا اور جمال احمد کی سوچیں اُسے ماضی سے حال میں لے آئیں۔ شاید بلّی نے دُودھ کا گلاس اُلٹ دیا تھا۔ اُس نے سر جھٹکا اور ایک فیصلہ کر لیا اٹل فیصلہ...

دوسرے دن وہ عدالت میں اپنے بھائی کو پھانسی کی سزا سُنا رہا تھا، اس نے رشتوں ناتوں سے بالاتر ہو کر قانون کے حقوق اور فرائض پر عمل کرتے ہوئے ٹائیگر کو اپنے انجام کا راستہ دکھایا۔ ٹائیگر جواب اُس کا بھائی نہیں، بلکہ معاشرے کا ناسور تھا۔ لوگوں کے ارمانوں کا قاتل تھا اور اسی سزا کا مستحق تھا۔ عدالت سے باہر نکلتے ہوئے جمال کچھ دُکھی، لیکن خوش تھا کہ اُس نے انصاف اور قانون کی لاج رکھ لی تھی اور اپنے فرائض پر کوئی آنچ نہیں آنے دی تھی۔

اُف یہ کرکٹ

شادیہ شاکر ــــــ ملتان

کرکٹ کرکٹ! یہ لفظ سُن سُن کر ہمارے کان پک گئے ہیں جدھر جاؤ کرکٹ۔ جدھر دیکھو کرکٹ۔ جدھر سنو کرکٹ کرکٹ کو پسند کرنا آج کل فیشن بن گیا ہے خاص طور پر کھلاڑیوں

"اونئیں باؤ جی عید ملن کہاں اپنے جاوید میانداد نے شاندار گول مارا ہے"۔

"بہت خوب! یعنی اس خوشی میں ہم سے گلے مِلا جا رہا ہے وہ بھی گول لگنے کی خوشی میں، بھائی گول تو ہاکی میں ہوتا ہے، جاوید نے یقیناً چھکا یا چوکا لگایا ہوگا"۔ میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"او جو بھی مارا ہے بڑا شاندار مارا ہے" پہلوان نے میری بات پر کان دھرے بغیر اپنی ترنگ میں کہا۔

"ہاں یہ تو ہے"۔ ہم نے بے چارگی سے کہا۔

ابھی گزشتہ دنوں خُدا خُدا کر کے ورلڈ کپ ٹورنامنٹ اختتام پذیر ہوا۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ اس دوران پوری قوم "کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا" کے مطابق کام کاج سے بے پروا ہو کر کرکٹ دیکھنے اور خود بھی کھیلنے میں مصروف رہی۔ کسی کو بتائیے گا نہیں، ہم بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھے... ! کیونکہ کرکٹ ہمارا بھی پسندیدہ کھیل ہے۔ اور جاوید میاں داد اور وسیم اکرم ہمارے فیورٹ کھلاڑی ہیں۔ کیوں آپ لوگ اتنے حیرت زدہ کیوں ہیں کیا ہم فیشن کو نہیں اپنا سکتے ؟

بنچے کیسے چڑھ گیا۔ وہ اپنے منصوبے میں کسی کو شامل نہیں کرتا تھا، لیکن آج وہ ناکام ہو گیا تھا اور جائے وقوعہ پر ہی پکڑا گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پولیس اتنی مستعد کیسے ہو گئی کہ اتنی رات گئے شدید سردی میں وہاں موجود تھی۔ پھر اس پر ساری بات واضح ہو گئی۔ وہ جب واردات کے لیے جا رہا تھا تو ایک درخت کے نیچے ہلکی ہلکی روشنی پر بغیر توجہ دیے گزر گیا تھا۔ درحقیقت وہ پولیس کی پیٹرول کار تھی۔ یقینی طور پر پولیس نے اس کی نقل و حرکت نوٹ کر لی تھی۔ اور پھر اُسے رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا تھا۔

جمال احمد ذہنی کش مکش میں مبتلا تیزی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کبھی وہ ٹہلتے ٹہلتے رُک کر بڑبڑانے لگتا، کبھی صوفے پر ڈھیر ہو جاتا۔ پھر دوبارہ اضطراب کی حالت میں اُٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ اس کی سوچوں کا مرکز گرفتار ہونے والا بدنامِ زمانہ قاتل اور ڈاکو ٹائیگر تھا۔ ٹائیگر جس کا اصلی نام کمال احمد تھا، اس کا بھائی تھا۔ لیکن ان کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ وہ ایک قانون پسند شہری اور معزز جج تھا، جبکہ اس کا بھائی قانون شکن اور لُٹیرا تھا۔

رہنے والے والدین کو کیا جواب دے گا۔ اس کی ماں تو اپنے بیٹے کی موت کی خبر سُنتے ہی پاگل ہو جائے گی۔ والدین کی یاد آتے ہی اس کا ذہن ماضی میں چلا گیا۔ جب وہ بچے تھے اور اسکول میں بالترتیب تیسری اور چوتھی میں زیرِ تعلیم تھے۔ ان کا شہر میں ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ ان کے والد ایک فرم میں کلرک تھے۔ ایمانداری اور محنت نے ان کی تمام خوشیاں پوری کر رکھی تھیں۔ ان کی تربیت بھی اچھے اور اسلام کے سنہری اصولوں کے تحت ہو رہی تھی۔ جمال احمد اور کمال احمد دونوں ہونہار طالب علم تھے۔ لیکن چھوٹا بھائی جمال بڑے بھائی کی نسبت زیادہ سنجیدہ اور ذہین تھا، لیکن پھر کمال پڑھائی سے دور ہوتا گیا اور اسکول کے گمراہ اور نااہل لڑکوں کی ایک ٹولی کے ساتھ رہنے لگا۔ یہ لوگ اکثر اسکول سے غائب رہتے لوگوں کی چیزیں چُراتے، ٹھیلوں سے پھل لے کر بھاگ جاتے سگریٹ نوشی اور سینما بینی کرتے۔ کمال ان کے ساتھ رہ کر پوری طرح بگڑ چکا تھا۔ جمال اپنے بھائی کی ان عادتوں سے تنگ تھا، لیکن چھوٹا ہونے کے ناتے وہ اُسے صرف سمجھا سکتا تھا۔ کمال اس کی باتیں ایک کان سے سُن کر دوسرے سے اُڑا دیتا۔ اس کے والد نے اُسے ان حرکتوں پر کئی دفعہ ڈانٹا اور مارا بھی

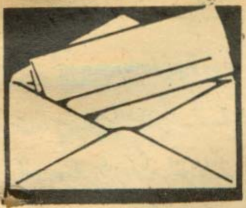

آؤ ملائیں ہاتھ

رضوان اکرم، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ اچھی کتابیں پڑھنا
بڑے ہو کر سی ایس پی آفیسر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگلش
معرفت پرنسپل صاحب، پبلک اسکول، حیدرآباد

محمد وسیم مغل، پندرہ سال
جماعت دہم مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگریزی
ملو بھائی جنرل اسٹور غریب آباد روڈ، —— میرپورخاص

علی فراز، دس سال
جماعت ششم، مشغلہ کھیل کود
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
معرفت پرنسپل صاحب، پبلک اسکول حیدرآباد

نورالاسلام، دس سال
جماعت پنجم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر کرکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
محمد سلیمان اینڈ محمد الیاس میڈیکل اسٹور، جیوانی بلوچستان

سید عطا محمد، تیرہ سال
جماعت ہشتم مشغلہ کتابیں پڑھنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
گورنمنٹ ماڈل مڈل اسکول، ہری پور، ہزارہ

عمران اختر، چودہ سال
جماعت نہم مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو حساب
رامسوامی ٹاور، نالا بلڈنگ نمبر فلیٹ نمبر ۵ رامسوامی کراچی

عبدالعظیم انصاری، پندرہ سال
جماعت ہشتم مشغلہ قلمی دوستی
بڑے ہو کر اچھا شہری بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
اردو بک سیلرز، غلام محمد آباد، ——— فیصل آباد

ریاض احمد، چودہ سال
جماعت نہم مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر ایس پی بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سندھی
مکان نمبر ۵۱۶/اے گلستان ہوٹل گلی، بیراج روڈ، سکھر

محمد خالد بلوچ، پندرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ فٹبال کھیلنا
بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس،
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۶۱۔ حاجی ابراہیم ولیج، کاٹھور، ملیر، کراچی

کامران نیاز، گیارہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس
مکان نمبر ۱۸/۶۶۱ عزیز آباد، ایف بی ایریا، —— کراچی

جمیل احمد تبسم، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، ہاکی کھیلنا
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس
معرفت ڈاکٹر محمد اقبال، بودا روڈ، —— میاں چنوں

عرفان عالم، بارہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
۹/۴، اے ۳، ناظم آباد، —— کراچی

غلام سرور، تیرہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، قلمی دوستی
بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
مکان نمبر ۱۳۶/۷ معرفت جمیل دودھ فروش، ٹنڈو الہ یار

غضنفر حسین، سولہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، کہانیاں لکھنا
بڑے ہو کر ائیر فورس میں جاؤں گا
پسندیدہ مضمون، اردو
کوارٹر نمبر ۲ بلاک نمبر ۱ جمشید روڈ، —— پولیس لائن کراچی

غلام قادر، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ رسائل پڑھنا
بڑے ہو کر ایکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
وارڈ نمبر ۴ شاہ کمال روڈ محلہ، ضلع ٹھٹھہ ——

محمد مشتاق پرنس، پندرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، ریاضی
معرفت اسحاق صادق، محلہ غوثیہ پارک نزد شیزان فیکٹری، بند روڈ لاہور

انصار خان، چودہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، رسائل پڑھنا
بڑے ہو کر کیا بنوں گا ابھی سوچا نہیں
پسندیدہ مضمون، معاشرتی علوم
مکان نمبر ۲/۷ ا بلاک اے یونٹ نمبر ۱۱ لطیف آباد حیدرآباد

جمیل احمد، سولہ سال
جماعت دہم، مشغلہ آنکھ مچولی پڑھنا
بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، کیمیا
۱۱۳ ڈی پیپلز کالونی، —— فیصل آباد

سید تسنیم حسین، گیارہ سال
جماعت چہارم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر انجینیئر بننا چاہتا ہوں۔
پسندیدہ مضمون، اردو
۲۰/۱۰۹۶-آر فیڈرل بی ایریا، ——— کراچی ۳۸

سید محمود احمد، چودہ سال
جماعت نہم، مشغلہ کتابیں پڑھنا
بڑے ہو کر اچھا پاکستانی بنوں گا۔
پسندیدہ مضمون، عربی
اے/۲۴۸ ۲ بلاک ایس، نارتھ ناظم آباد، ——— کراچی

لیاقت علی، سات سال
جماعت سوئم، مشغلہ، پڑھنا لکھنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
بلتستانی محلہ، اے بی سینا لائن، ——— کراچی

ایم صادق صابری، چودہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، ہاکی کھیلنا۔
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
صادق جنرل اسٹور مین بازار، ——— پنڈ دادن خان

فرید احمد، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، مطالعہ کرنا۔
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس
بی/۱۶۰۳/۷۷ لانڈھی ——— کراچی ۳۰

صغیر حسین، بارہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ کہانیاں پڑھنا
بڑے ہو کر مصنف بننا چاہتا ہوں۔
پسندیدہ مضمون، انگلش
عوامی ہیئر ڈریسر، نزد عوامی ہوٹل، بیراج روڈ سکھر

شاہد جمیل، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں۔
پسندیدہ مضمون، انگلش
۱۱/۱۲۲ سیکٹر ۱۱ ایف نیو کراچی ——— کراچی ۳۶

مدثر مقصود، بارہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، مطالعہ کرنا
بڑے ہو کر کیا بنوں گا، ابھی نہیں سوچا
پسندیدہ مضمون، انگریزی
۱۶/۷ بی ون ایریا، لیاقت آباد ——— کراچی ۱۹

محمد آصف اقبال، آٹھ سال
جماعت سوئم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
محمد آصف ولد ماسٹر شیر خان، لاوہ، ضلع، چکوال

ظہیر الدین بابر، سولہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر فوجی بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
مکان نمبر ۱/۱، بیت الصدف، مسجد روڈ، بہار کالونی، کراچی

ایک پیغام امّی ابّو کے نام

محمد صلاح الدین،

پیارے بچّوں کے پیارے ابّو، پیاری امّی!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دُنیا میں جن نعمتوں سے نوازا ہے ان میں صحت، خوشحالی، عزّت، دولت، شہرت، جائداد اور عہدے و رُتبے سمیت سینکڑوں چیزیں شامل ہیں جو آپ کی اور صرف آپ کی ہیں۔ پھر ہر انسان کے لیے ہوا، پانی، روشنی، شیریں پھل، خوش رنگ پھول سبزہ زار، حسین باغات، ہرے بھرے کھیت ان میں اُگنے والا اناج، نیلگوں آسمان، سربلند پہاڑ، بہتے دریا، اتھاہ سمندر، صبح وشام کے حسین مناظر، چہچہاتے پرندے، جھلملاتے ستارے اور اس کائنات میں آپ کے اردگرد پھیلی ہوئی بے شمار اشیاء ہیں جن سے سب راحت پاتے اور سکون حاصل کرتے ہیں۔ مگر سچ بتایئے ان ہزاروں لاکھوں اشیاء اور مناظر میں سے کوئی ایسی شے یا کوئی ایسا منظر ہے جو آپ کو اپنے بچّوں سے زیادہ راحت بخش محسوس ہوتا اور ان سے زیادہ حسین نظر آتا ہو؟ آپ کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ اس دُنیا میں کوئی پھل ان سے زیادہ شیریں، کوئی پھول ان سے زیادہ رنگین، کوئی چہچہاہٹ ان کی آواز سے زیادہ رسیلی اور کوئی منظر ان کی شرارتوں اور مسکراہٹوں سے زیادہ حسین نہیں۔ یہ کائنات کی سب سے خوبصورت شے ہیں اور ان کا ہلکا سا لمس آپ کو جو سکون اور قرار عطا کرتا ہے، جو راحت اور مسرّت بخشتا ہے وہ کسی اور شے سے حاصل ہونا ممکن نہیں۔

مگر آپ کے باغِ حیات میں کھِلنے والے یہ حسین و شاداب پھول اگر خدانخواستہ آگے چل کر کانٹوں میں تبدیل ہو جائیں۔ آپ سے اُلجھنے لگیں۔ آپ کا دامنِ اخلاق و اقدار تار تار کرنے لگیں، آپ سے اطاعت و وفاداری کا رشتہ استوار رکھنے کے بجائے بغاوت و سرکشی پر اُتر آئیں اور احسنِ تقویم پر پیدا ہونے کے بعد اسفل السافلین کا کردار اپنالیں تو پھر اس دنیا میں آپ کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی اذیّت نہیں، اس سے بڑا کوئی دُکھ نہیں، کوئی صدمہ نہیں۔

آخر ایسا ہوتا کیوں ہے؟ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس اذیّتناک صورتحال سے بچنے کی تدبیر کیا ہے؟ یہ متاع لُٹ جائے، برباد ہو جائے تو باغِ ہستی اُجڑ جاتا ہے، سیرت و کردار کی دولت ہاتھ سے چلی جائے تو پھر رہ ہی کیا جاتا ہے، خاندان ہی نہیں پورا معاشرہ اس کی زد میں آجاتا ہے، انسانی بستیاں بھیڑیوں اور لٹیروں سے بھر جاتی ہیں اور ان میں زندگی سسکنے لگتی ہے۔ لوگ زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔ کیا ہم ایسی ہی مکروہ صورتحال سے دوچار نہیں؟

ہم اپنا اور قوم کا مستقبل سنوارنا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہی ہے کہ آج گود میں پلنے والی اور نرسری و پرائمری اسکولوں میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے والی نوخیز نسل کو اس طرح سنوار دیجئے کہ یہ زندگی بھر کے لیے بھٹکنے اور گمراہ

ہونے سے محفوظ ہو جائے اور سلامتی کے صاف اور سیدھے راستے پر قدم بڑھاتی چلی جائے۔ اس کی جوانی میں آپ ، بڑھاپا گواہی دے گا کہ ہاں ہمارا مستقبل ماضی کی تاریکیوں سے نکل کر روشنی سے ہمکنار ہو گیا ہے اور ہر سُو اُجالا پھیل گیا ہے۔ مگر ٹھہریے ! یہ کارِ عظیم اُسی وقت انجام دیا جا سکے گا جب آپ "مستقبل" کا حقیقی مفہوم ذہن نشین کر لیں۔ ہم "قبل" کا تعین کرنے ہی میں ٹھوکر کھاتے ہیں اور پھر ٹھوکروں کے سوا ہمارے مقدر میں کچھ نہیں رہتا۔

ہم سب اپنے بچّوں کا مستقبل بنانے کے لیے دن رات کوشاں اور فکر مند رہتے ہیں، لیکن ہماری کوششوں کے نتائج ایک صحت مند، تعمیری اور خوشحال و پُرسکون معاشرے کی صورت میں برآمد نہیں ہو رہے، نتائج خواہشات اور توقعات کے بالکل برعکس نکل رہے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم راستے کو منزل ، زادِ راہ کو سامانِ زیست اور ماضی بن جانے والے حال کو مستقبل سمجھ لیتے ہیں۔ ہم نے اس زندگی کی آخری منزل اس قبر کو سمجھ لیا ہے جو ہماری حقیقی اور ابدی زندگی کا نقطۂ آغاز ہے، جہاں سے ہمارے مستقبل کی ورود شروع ہوتی ہیں اور جس میں قدم رکھنے کے بعد پھر کبھی موت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ قرآن جس زندگی کو کھیل تماشا قرار دیتا ہے، ہم اسی کو اصل زندگی سمجھ لینے کی حماقت میں مبتلا ہو گئے ہیں وہ جسے حقیقی زندگی قرار دیتا ہے ہم اس سے یکسر غافل اور اس کے تصوّر ہی سے فارغ ہو چکے ہیں۔ وہ جسے دارالعمل قرار دیتا ہے اور جائے مہلت ٹھہراتا ہے ہم اُسے دارالجزا اور جائے قیام سمجھ رہے ہیں۔ دور تک دیکھنے والے ہی کو دور اندیش کہا جاتا ہے، مگر یہ کیسی دور اندیشی ہے جو مستقبل کی حدود کے نقطۂ آغاز پر آ کر ختم ہو جاتی ہے اور مستقبل میں جھانکنے والی نظر سے محروم ہے۔

ہم قرآن کی تعلیم کے مطابق اپنی نظر کو اصل مستقبل تک وسعت دے لیں تو زندگی کے بارے میں ہمارا رویّہ یکسر بدل جائے گا۔ ہم اُس حقیقی مستقبل کو نگاہ میں رکھیں گے اور اُسے بچانے اور سنوارنے کی فکر مندی دامن گیر ہو گی تو بچّوں کی تعلیم و تربیت کا پورا نقشہ ہی بدل جائے گا، ہم اپنے ماحول سے ہر اُس آلودگی اور غلاظت کو صاف کرنے پر لگ جائیں گے جو ہمارے بچّوں کا حقیقی مستقبل تباہ کرنے والی ہو گی۔ ہم میں سے کون چاہے گا کہ اپنے پھول سے معصوم بچّوں کو جہنم کا ایندھن بننے کے لیے پروان چڑھائیں، ہم پر تو اس تصوّر ہی سے کپکپی طاری ہو جانی چاہیئے۔ ہم میں سے کون ہے جو اس امر کا آرزومند نہ ہو کہ ہمارے بچّے جنّت کی ان راحتوں سے فیضیاب ہوں جو کبھی چھننے والی نہیں، جو دنیا کی راحتوں کی طرح عارضی نہیں کبھی چھن جانے اور کبھی ہاتھ آنے اور پھر ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے چلی جانے والی نہیں، ہمیشہ میسّر رہنے والی ہیں۔ بچّوں کا مستقبل اس تصوّرِ مستقبل کے ساتھ سنوارنے کی فکر کی جائے تو یہ عبوری زندگی بھی جنّت کا نمونہ بن سکتی ہے، جسے منزل پر پہنچنا ہے وہ زادِ راہ کی فکر اسی کی روشنی میں کرتا ہے اور صراطِ مستقیم سے بھٹکنے کے ہر امکان سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے چوکس و مستعد رہتا ہے۔

آپ کو اپنے بچّوں کا مستقبل بہتر بنانا ہے تو اس مستقبل کی فکر کیجئے جو آپ کی اور ان بچّوں کی، سب کی آخری منزل ہے۔ کیا آپ کا فراہم کردہ گھریلو اور معاشرتی ماحول اس مستقبل کی بہتر ضمانت مہیّا کرتا ہے ؟ اس سوال کو غور و فکر کا محور بنا لیجئے، آپ کا، آپ کے ملک کا، آپ کی ملّت کا اور آپ کی موجودہ اور آئندہ نسل کا مستقبل روشن اور تابناک بنتا چلا جائے گا۔

محمد صلاح الدین
مدیر ہفت روزہ تکبیر کراچی

اتنے سارے پھلوں کا
تازہ نکھرا روپ
احمد
مکسڈ فروٹ جام
TASTE AHMED PRESERVES IT
AHMED'S
JAM
MIXEDFRUIT

Regd. No. M-266 FEBRUARY 1988
Monthly AANKH MICHOLEE Karachi

PATENT No. 7469-7470-7471